رجسٹر نمبر آصفیہ (۱۲۰)
جلد (۴) عدد (۲)

رجسٹر نمبر ایم (۲۹۵۰)
صفر المظفر سنہ ۱۳۵۳ھ

ماہ نامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی وحقایق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابو الاعلیٰ مودودی

قیمت سالانہ (صہ)
بیرون ہند کے لئے (صے)
قیمت فی پرچہ (۸/)

مرآۃ المثنوی

مرتبہ

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے

رکن دار الترجمۂ جامعۂ عثمانیہ

مثنوی شریف میں حکایات، حکم و معارف، مقولات فلسفیانہ، نصائح و مواعظ اس طرح ایک دوسرے میں ملے ہوئے ہیں کہ مسلسل مطالعہ دشوار ہو گیا ہے، قاضی صاحب موصوف نے سالہا سال کی محنت سے مثنوی شریف کو ایسے طرز بیان پر مرتب کیا ہے کہ یہ دشواری کلیتہً رفع ہو گئی ہے۔ **یواقیت القصص** کے نام سے حکایات کے تمام متفرق اجزا کو اس طرح ایک سلسلہ میں جمع کر دیا ہے کہ کوئی قصہ تشنہ باقی نہیں رہا ہے، حکم و معارف کے ساڑھے تین ہزار سے زائد اشعار و قطعات کو تقریباً گیارہ سو عنوانات کے تحت فنی منطقی اصول پر **درر الحکم** کے نام سے یکجا کیا ہے، جو اشعار مطالب قرآنی پر محتوی تھے انہیں ترتیب قرآنی کے بموجب **جواہر القرآن** کے تحت مرتب کیا ہے، علیٰ ہذا احادیث نبوی پر مشتمل اشعار کو **لآلی السنن** کے نام سے جمع کیا ہے، آخر میں **مرجانۃ المدیح** کے نام سے ایک مجموعہ ان اشعار کا شامل کر دیا ہے جو مولانا روم نے اپنے اصحاب کی مدح میں کہے ہیں۔

ابتدائی مفصل فہرست کے علاوہ تین ضمیمے ہیں جن میں سے پہلا ضمیمہ باعتبار مطالب درر الحکم کا اشاریہ ہے دوسرا ضمیمہ کشف الابیات ہے یعنی کسی شعر کے ابتدائی دو لفظ یاد ہوں تو اس شعر کا کتاب میں پتہ چل سکتا ہے، تیسرا ضمیمہ فرہنگ ہے جس میں مشکل الفاظ و فقرات کے معانی آسان عبارتوں میں دیئے گئے ہیں۔ اس طرح یہ ایسا نادر مجموعہ طیار ہو گیا ہے کہ دیکھنے والے حیرت میں پڑ گئے ہیں کہ یہ کام کیونکر انجام پایا۔

مولانا جلال الدین رومیؒ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت بہاء الدین ولد چلبی دام برکاتہ اور ڈاکٹر آر اے نکلسن پروفیسر عربی جامعہ کیمبرج نے اس کتاب کے دیباچے تحریر فرمائے ہیں۔ کتابت، طباعت، کاغذ، جلد سب اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ کتاب کی ظاہری و باطنی خوبیوں کا اندازہ صرف کتاب کے دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔ **قیمت** (غہ) سکہ انگریزی یا (لعہ) سکہ حالی

ملنے ——— **سید عبدالقادر تاجر کتب چارمینار حیدرآباد دکن** ——— کا پتہ

مؤلف سے دار الترجمہ کے پتہ سے بھی کتاب مل سکتی ہے

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

اگر ایک ہی شے کو ایک شخص سیاہ کہے، دوسرا سپید، تیسرا زرد اور چوتھا سرخ، تو ممکن نہیں ہے کہ یہ چاروں صادق ہوں۔ اگر ایک ہی فعل کو ایک برا کہتا ہے اور دوسرا اچھا، ایک اس سے منع کرتا ہے اور دوسرا اس کا حکم دیتا ہے، تو کسی طرح ممکن نہیں کہ دونوں کی رائے صحیح ہو، دونوں برحق ہوں اور دونوں امر و نہی کا کھلا ہوا اختلاف رکھنے کے باوجود اپنے حکم میں درست ہوں جو شخص ایسے متضاد اقوال کی تصدیق کرتا ہے، اور ایسے متضاد احکام کو برحق قرار دیتا ہے، اس کا یہ فعل دو حال سے خالی نہ ہوگا۔ یا تو وہ سب کو خوش کرنا چاہتا ہے۔ یا اس نے اس مسئلہ پر سرے سے غور ہی نہیں کیا، اور بے سمجھے بوجھے رائے ظاہر کر دی۔ بہر حال دونوں صورتیں عقل اور صداقت کے خلاف ہیں، اور کسی دانشمند اور حق پسند انسان کے لئے یہ زیبا نہیں کہ ان میں سے کسی وجہ سے بھی مختلف الخیال لوگوں کی تصدیق کرے۔

عموماً لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ دس مختلف خیالات رکھنے والے آدمیوں کے مختلف اور متضاد خیالات کو درست قرار دینا "رواداری" ہے۔ حالانکہ یہ دراصل رواداری نہیں عین منافقت ہے رواداری کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے عقائد یا اعمال ہمارے نزدیک غلط ہیں، ان کو ہم برداشت کریں، ان کے جذبات کا لحاظ کرکے ان پر ایسی نکتہ چینی نہ کریں جو ان کو رنج پہنچانے والی ہو، اور انہیں ان کے اعتقاد سے پھیرنے یا ان کے عمل سے روکنے کے لئے جبر و اکراہ کا طریقہ نہ اختیار کریں۔ اس قسم کا تحمل، اور اس طریقہ سے لوگوں کو اعتقاد و عمل کی آزادی دینا، نہ صرف ایک مستحسن فعل ہے، بلکہ مختلف الخیال جماعتوں میں امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے

کے لئے ضروری بھی ہے۔ لیکن اگر ہم خود ایک عقیدہ رکھنے کے باوجود محض دوسرے لوگوں کو خوش کرنے کے لئے ان کے مختلف عقائد کی تصدیق کریں، اور خود ایک دستور العمل کے پیرو ہوتے ہوئے، دوسرے مختلف دستوروں کا اتباع کرنے والوں سے کہیں کہ آپ سب حضرات برحق ہیں، تو اس منافقانہ اظہار رائے کو کسی طرح بھی رواداری سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ مصلحتہً سکوت اختیار کرنے اور عمداً جھوٹ بولنے میں آخر کچھ تو فرق ہونا چاہیئے۔

صحیح رواداری وہ ہے جس کی تعلیم اسلام نے ہم کو دی ہے۔ ہم سے کہا گیا ہے کہ:۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (۶: ۱۳)

یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر جن دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہو، کیونکہ اس کے جواب میں نادانی کے ساتھ ناحق یہ خدا کو گالیاں دیں گے۔ ہم نے تو اسی طرح ہر قوم کے لئے اس کے اپنے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے پھر ان سب کو اپنے پروردگار کی طرف واپس جانا ہے وہاں ان کا پروردگار انہیں بتا دے گا کہ انہوں نے کیسے عمل کئے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (۲۵: ۶)

خدا کے نیک بندے وہ ہیں جو جھوٹ پر گواہی نہیں دیتے اور جب کسی نامناسب فعل کے پاس سے گذرتے ہیں تو خودداری کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ۔ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ

اے محمد ان سے کہو کہ اے گروہ کفار! نہ میں ان معبودوں کو پوجتا ہوں جن کو تم پوجتے ہو اور نہ تم اس معبود کے پوجنے والے ہو جس کو میں پوجتا ہوں۔ اور آیندہ بھی نہ میں

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (۱۰۹) ان معبودوں کو پوجنے والا ہوں جن کو تم نے پوجا ہے، اور نہ تم اس معبود کو پوجنے والے ہو جس کو میں پوجتا ہوں، تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (۳۴:۲) دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (۶:۲۸)

وہ بدی کو نیکی سے دفع کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب کوئی نامناسب بات سنتے ہیں تو اس سے درگذر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ تم کو سلام ہے ہم جاہلوں سے کچھ غرض نہیں رکھتے

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۔ (۲:۴۲)

پس تم ان کو حق کی طرف دعوت دو اور حق پر جمے رہو جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور کہو کہ اللہ نے جو کتاب اتاری ہے اس پر میں ایمان لایا اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں۔ اللہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی حجت نہیں۔ اللہ ہم سب کو قیامت میں جمع کرے گا اور اسی کی طرف واپس جانا ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ (۱۶:۱۲۶)

اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ پند و نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے مباحثہ کرو۔

یہی وہ رواداری ہے جو ایک حق پرست، صداقت پسند، اور سلیم الطبع انسان اختیار کرسکتا ہے۔ وہ جس مسلک کو صحیح سمجھتا ہے اس پر پختگی کے ساتھ قائم رہے گا، اپنے عقیدہ کا صاف صاف اظہار و اعلان کریگا، دوسروں کو اس عقیدہ کی طرف دعوت بھی دے گا، مگر کسی کی دل آزاری نہ کرے گا، کسی سے بدکلامی نہ کرے گا، کسی کے مسلک سے تعرض نہ کریگا، کسی کے معتقدات پر حملے نہ کرے گا، کسی کی عبادات اور اعمال میں مزاحمت نہ کریگا، کسی کو زبردستی اپنے مسلک پر لانے کی کوشش نہ کریگا۔ باقی رہا حق کو حق جانتے ہوئے حق نہ کہنا، یا باطل کو باطل سمجھتے ہوئے حق کہدینا، تو یہ ہرگز کسی سچے انسان کا فعل نہیں ہوسکتا، اور خصوصاً لوگوں کو خوش کرنے کے لئے ایسا کرنا تو نہایت مکروہ قسم کی خوشامد ہے۔ ایسی خوشامد نہ صرف اخلاقی حیثیت سے ذلیل ہے، بلکہ اس مقصد میں بھی کامیاب نہیں ہوتی جس کے لئے انسان اپنے آپ کو اس پست منزل تک گراتا ہے۔ قرآن کا صاف اور سچا فیصلہ ہے کہ:-

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (۲: ۱۴)	یہود اور نصاریٰ تجھ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تو ان کی ملت کا پیرو نہ بن جائے گا۔ صاف کہدے کہ اللہ کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ ورنہ اگر تو نے اس علم کے بعد جو تیرے پاس آیا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو کوئی حامی و مددگار تجھ کو خدا سے بچانے والا نہ ہوگا۔

جھوٹی رواداری کا اظہار تو خیر سیاسی اغراض کے لئے کیا جاتا ہے، اور اس دور میں یہ جائز ہے کیونکہ مغربی ارباب سیاست کی کوششوں سے، مدت ہوئی کہ اخلاق اور سیاست کے درمیان مفارقت کرادی گئی ہے، لیکن افسوس کے قابل ان "محققین" کا حال ہے، جو عقل کو سوچنے، اور فکر کو حرکت کرنے کی زحمت دیے بغیر اپنی مذہبی تحقیقات کا یہ عجیب نتیجہ ظاہر فرمایا کرتے ہیں کہ "تمام مذاہب برحق ہیں"۔ یہ جملہ اکثر ان لوگوں کی

زبان سے سنا جاتا ہے۔ جن کا دعویٰ ہے کہ ہم کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے اور نہ تسلیم کرتے ہیں۔ جب تک کہ اس کو میزان عقل میں تول نہ لیں لیکن میزان عقل کا حال یہ ہے کہ وہ ان کی اس تحقیق انیق کو پرکاہ کے برابر بھی وزن دینے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ جن مذاہب کو معاً برحق ہونے کی سند عطا کی جاتی ہے، ان کے اصول میں سیاہ اور سپید کا کھلا ہوا تخالف موجود ہے۔ ایک کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ دوسرا کہتا ہے دو ہیں، چوتھا کہتا ہے بہت سی قوتیں خدائی میں شریک ہیں، پانچویں کی تعلیم میں سرے سے خدا کا تصور ہی موجود نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ پانچوں سچے ہوں؟ ایک انسان کو خدائی کے مقام میں لے جاتا ہے، دوسرا خدا کو کھینچ کر انسانوں کے بیچ میں اتار لاتا ہے، تیسرا انسان کو عبد اور خدا کو معبود قرار دیتا ہے، چوتھا عبد اور معبود دونوں کے تخیل سے خالی ہے۔ کیا صداقت میں ان چاروں کے لئے اجتماع کی گنجائش نکل سکتی ہے؟ ایک نجات کو صرف عمل پر موقوف رکھتا ہے، دوسرا نجات کے لئے صرف ایمان کو کافی سمجھتا ہے، تیسرا ایمان اور عمل دونوں کو نجات کے لئے شرط قرار دیتا ہے۔ کیا یہ تینوں بیک وقت صحیح ہو سکتے ہیں؟ ایک نجات کی راہ دنیا اور اس کی زندگی سے باہر نکالتا ہے۔ دوسرے کے نزدیک نجات کا راستہ دنیا اور اس کی زندگی کے اندر سے گذرتا ہے۔ کیا یہ دونوں راستے یکساں درست ہو سکتے ہیں؟ ایسے متضاد امور کو صداقت کی سند عطا کرنے والی شے کا نام اگر عقل ہے، تو پھر جمع بین الاضداد کو محال قرار دینے والی شے کا نام کچھ اور ہونا چاہئے۔

مذاہب میں جو تصورات مشترک نظر آتے ہیں، افسوس کہ سطحی نظر رکھنے والے ان کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے، اور محض سطح پر نگاہ ڈال کر، چند غلط مقدمات کو غلط طریقے سے ترتیب دے کر غلط نتائج نکال لیتے ہیں حالانکہ دراصل یہ اشتراک ایک اہم حقیقت کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ پتہ دیتا ہے کہ درحقیقت یہ تمام مذاہب ایک ہی اصل سے نکلے ہیں۔ ان تمام تصورات اور تعلیمات کا مبدأ ایک ہے۔ کوئی ایک ذریعۂ علم ہے جس نے انسان کو مختلف ممالک، اور مختلف زمانوں میں، ان مشترک صداقتوں سے روشناس کیا۔

کوئی ایک بصیرت ہے جو مشرق و مغرب کا بعد رکھنے والے اور سینکڑوں ہزاروں برس کا فصل رکھنے والے لوگوں کو حاصل ہوئی، اور اس بصیرت سے وہ سب کے سب ایک ہی قسم کے نتائج تک پہنچے لیکن مذاہب اپنی اصل اور اپنے مبدأ سے دور ہوگئے تو ان میں کچھ خارجی تصورات، اور اجنبی معتقدات و تعلیمات نے راہ پائی، اور چونکہ یہ بعد والی چیزیں اس مشترک مبدأ، اور مشترک بصیرت سے ماخوذ نہ تھیں، بلکہ مختلف طبائع، مختلف رجحانات، اور مختلف علمی و عقلی مراتب رکھنے والے انسانوں کی طبعزاد تھیں، اس لئے انہوں نے ان مشترک بنیادوں پر جو عمارتیں تعمیر کیں وہ اپنے نقشوں اور اپنی وضع و ہیئت میں بالکل ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔

پس حق اور صدق کا حکم اگر لگایا جا سکتا ہے تو اس اصل مشترک پر لگایا جا سکتا ہے جو تمام مذاہب میں پائی جاتی ہے، نہ کہ ان مختلف تفصیلی صورتوں اور ہیئتوں پر جن میں موجودہ مذاہب پائے جاتے ہیں کیونکہ حق ایک جنس بسیط ہے۔ اس کے افراد میں اختلاف نہیں ہو سکتا جس طرح ہم سیاہ اور سپید، سرخ اور سبز پر لفظ "رنگ" کا اطلاق یکسانی کے ساتھ کرتے ہیں، اُس طرح خدا ایک ہے، اور خدا دو ہیں، اور خدا کروڑوں ہیں کے مختلف احکام پر لفظ "حق" کا اطلاق نہیں کر سکتے۔

یہ بات کہ تمام مذاہب کی اصل ایک ہے، اور ایک ہی صداقت ہے جو مختلف قوموں پر مختلف زمانوں میں ظاہر کی گئی قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ اس کتاب میں بار بار کہا گیا ہے کہ ہر قوم میں خدا کے رسول اور پیغام بر آئے ہیں۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا (۱۶ : ۵) وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (۳۵ : ۳) یہ تمام انبیاء اور رسل ایک ہی سرچشمے سے صداقت کا پیغام حاصل کرتے تھے۔ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ (۳ : ۱۹) لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ (۵۷ : ۳) ان سب کا پیغام ایک ہی تھا، اور

اور وہ یہ تھا کہ :۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (۶ : ۵) خدا کی پرستش کرو اور تمام باطل معبودوں کو چھوڑ دو۔

سب پر خدا کی طرف سے ایک ہی وحی آئی تھی :۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (۲ : ۲۱)

اے محمد تم سے پہلے ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کی طرف یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔

ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ جو کچھ ہم پیش کر رہے ہیں وہ ہماری اپنی عقل و فکر کا نتیجہ ہے، بلکہ سب یہی کہتے رہے کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہے :۔

وَمَا کَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِیَکُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ وَقَدْ ھَدٰىنَا سُبُلَنَا۔ (۱۴ : ۲)

ہم یہ قدرت نہیں رکھتے کہ خدا کے اذن کے بغیر کوئی حجت لا سکیں جو ایمان لانے والے ہیں وہ تو خدا ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور ہم کیوں نہ خدا پر بھروسہ رکھیں جبکہ اسی نے ہم کو ہدایت بخشی ہے۔

پھر ان میں سے کسی نے یہ بھی نہیں کہا کہ تم ہماری بندگی کرو، بلکہ سب یہی کہتے رہے کہ خدا پرست بن جاؤ

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ (۳ : ۸)

کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ اللہ جب اس کو کتاب اور حکم اور نبوت عطا کرے تو وہ لوگوں سے کہے کہ تم خدا کے بجائے میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہیگا کہ خدا پرست بنو

یہ تھی وہ مشترک تعلیم جو تمام قوموں کو ان کے مذہبی رہنماؤں نے دی تھی۔

قرآن کا بیان ہے کہ اول اول تمام انسان ایک ہی امت تھے اور ایک ہی دین کے

پیرو تھے، پھر انہوں نے اپنے الگ الگ مذہب نکال لئے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے، اور یہ تفرقہ اس وقت ہوا جب کہ ان کے پاس علم آچکا تھا۔ پھر اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے انبیاء کتابیں اور کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ مگر اختلاف دور نہ ہوا۔ صرف ایک گروہ جو انبیاء پر ایمان لایا اور ان کی تعلیم پر قائم رہا، اس نے ہدایت پائی، اور باقی سب مختلف گروہ گمراہی میں مبتلا ہوگئے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا (۱۰ : ۲)

لوگ دراصل ایک ہی امت تھے۔ پھر مختلف ہوگئے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۲ : ۲۶)

لوگ پہلے ایک ہی امت تھے۔ (پھر ان میں اختلاف ہوا) پھر اللہ نے نبیوں کو بھیجا جو بشارت دینے والے اور متنبہ کرنے والے تھے اور ان کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں کے درمیان اس امر میں فیصلہ کرے جس میں انہوں نے اختلاف کیا تھا۔ اور یہ اختلاف ان لوگوں نے آپس کی ضد سے کیا تھا جن کے پاس پہلے کتاب آچکی تھی اور کھلی کھلی دلیلیں دی جاچکی تھیں۔ پھر جو لوگ ایمان لائے ان کو اللہ نے اس حق کی راہ دکھا دی جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جس کو چاہتا ہے راہ راست کی طرف ہدایت بخشتا ہے۔

پھر قرآن کہتا ہے کہ "اسلام" وہی اصل دین ہے جس کو ابتدا سے تمام قوموں میں تمام انبیاء پیش کرتے رہے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نیا پیغام لے کر نہیں آئے تھے جو پہلے کبھی نہ پیش کیا گیا ہو۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (۴۶ : ۱) بلکہ آپ کا پیغام وہی ہے جو ہر نبی نے ہر قوم تک ہر زمانے میں پہونچایا ہے۔ اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (۴: ۱۶۳)

اس پیغام سے عرب، مصر، ایران، ہندوستان، چین، جاپان، امریکہ، یورپ، افریقہ، غرض کوئی سرزمین محروم نہیں رکھی گئی۔ سب جگہ اللہ کے رسول اللہ کی کتابیں لے کر آئے ہیں، اور بہت ممکن ہے کہ بودھ، کرشن، رام، کنفیوشس، زردشت، مانی، سقراط، فیثاغورس وغیرہم انہی رسولوں میں سے ہوں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن میں فرق یہ ہے کہ ان کی اصل تعلیمات لوگوں کے اختلافات میں گم ہو گئیں اور آنحضرت نے جو کچھ پیش فرمایا وہ اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہے۔

پس حقیقت یہ ہے کہ "اسلام" مذاہب میں سے ایک مذہب نہیں ہے، بلکہ نوع انسانی کا اصل مذہب یہی ہے، اور باقی مذاہب اسی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔ مذاہب میں جو کچھ "حق" اور "صدق" پایا جاتا ہے وہ اسی اصل "اسلام" کے بچے کھچے اثرات ہیں جو اختلافات کے باوجود باقی رہ گئے ہیں، اور جس مذہب میں اس باقی ماندہ حق کی مقدار جتنی زیادہ ہے، اس میں اتنا ہی زیادہ "اسلام" موجود ہے۔ رہے وہ اختلافات جو اصل "اسلام" کے خلاف ہیں، تو وہ سب یقیناً باطل ہیں، اور ان پر "حق" کا حکم لگانا صریح ظلم ہے۔

اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

(۱۳)

ایمان

۴- ایمان بالکتب

اسلام کی اصطلاح میں "کتاب" سے مراد وہ کتاب ہے جو بندوں کی رہنمائی کے لئے اللہ کی طرف سے رسول پر نازل کی جاتی ہے اس مفہوم کے لحاظ سے کتاب گویا اسی پیغام کا سرکاری بیان (Official VERSION) یا اسلامی اصطلاح کے مطابق "آلہی کلام" ہے، جسے لوگوں تک پہنچانے، اور جس کی توضیح و تشریح کرنے، اور جس کو عمل کا جامہ پہنانے کے لئے پیغمبر دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔ یہاں اس بحث کا موقع نہیں کہ "کتاب" کس معنی میں اللہ کا کلام ہے، اور اس کے کلام اللہ ہونے کی کیفیت کیا ہے؟ یہ خاص آلہیات کی بحث ہے جس کا اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم کو اس پر صرف اس پہلو سے نظر ڈالنی ہے کہ تہذیب اسلامی کی تاسیس میں ایمان بالکتب کا کیا حصہ ہے؟ اور اس کے لئے صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ پیغمبر کے ذریعہ سے جو تعلیم بندوں کو دینی مقصود ہے اس کے اصول اور امہات مسائل، خاص خدا کی طرف سے پیغمبر کے دل پر القا ہوتے ہیں، اس کے الفاظ اور معانی دونوں میں پیغمبر کی اپنی عقل و فکر، اس کے ارادے، اور اس کی خواہش کا ذرہ برابر دخل نہیں ہوتا، اس لئے وہ لفظاً اور معنیً خدا کا کلام ہوتا ہے نہ کہ پیغمبر کی تصنیف۔ پیغمبر اس کلام کو ایک امانت دار قاصد کی حیثیت سے خدا کے بندوں تک پہنچا دیتا ہے۔ پھر خدا کی عطا کی ہوئی بصیرت سے اس کے معانی اور مطالب کی تشریح کرتا ہے، انہی آلہی اصولوں پر اخلاق، معاشرت، تہذیب اور تمدن کا نظام قائم کرتا ہے، اپنی تعلیم و تلقین اور اپنی پاکیزہ سیرت سے لوگوں

کے خیالات، رجحانات اور افکار میں ایک انقلاب برپا کرتا ہے، تقویٰ و طہارت، پاکیزگیٔ نفس اور حسن عمل کی روح ان میں پھونکتا ہے، جو صداقت پسند، اور حق پرست لوگ اس کی پیروی اختیار کرتے ہیں، ان کو وہ اپنی تربیت اور عملی رہنمائی میں اس طور پر منظم کرتا ہے کہ ان سے ایک نئی سوسائٹی نئی ذہنیت نئے افکار و خیالات، نئے آداب و اطوار، اور نئے آئین و قوانین کے ساتھ وجود میں آتی ہے پھر وہ ان میں اللہ کی کتاب اور اس کے ساتھ اپنی تعلیم، اور اپنی پاکیزہ سیرت کے آثار چھوڑ جاتا ہے جو ہمیشہ اس جماعت اور اس کے بعد آنے والی نسلوں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دیتے ہیں۔

رسالت اور کتاب کا تعلق "رسالت" اور "کتاب" دونوں اسی ایک خدا کی طرف سے ہیں دونوں ایک ہی امر ربانی کے اجزاء، اور ایک ہی مقصد، اور ایک ہی دعوت کی تکمیل کے ذریعے ہیں۔ وہی اللہ کا علم اور اس کی حکمت رسول کے سینے میں بھی ہے اور کتاب کے اوراق میں بھی جس تعلیم کا لفظی بیان "کتاب" ہے، اسی کا عملی نمونہ رسول کی زندگی ہے۔

انسان کی فطرت کچھ اس طور پر واقع ہوئی ہے کہ وہ مجرد کتابی تعلیم سے کوئی غیر معمولی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس کو علم کے ساتھ ایک انسانی معلم اور رہنما کی بھی حاجت ہوتی ہے جو اپنی تعلیم سے اس علم کو دلوں میں بٹھا دے، اور اس کا مجسمہ بن کر اپنے عمل سے لوگوں میں وہ روح پھونک دے جو اس تعلیم کا حقیقی منشا ہے۔ آپ کو پوری انسانی تاریخ سے ایک مثال بھی ایسی نہ مل سکیگی کہ تنہا کسی کتاب نے، انسانی معلم کی ہدایت اور تعلیم کے بغیر کسی قوم کی ذہنیت اور زندگی میں انقلاب پیدا کیا ہو جن رہنماؤں نے قوموں کے افکار و اعمال میں زبردست انقلابات پیدا کئے ہیں، اگر وہ خود اپنی تعلیم کے مکمل عملی نمونے بن کر نہ پیدا ہوتے، اور صرف ان کی تعلیمات اور ان کے اصول کسی کتاب کی شکل میں شایع ہوجاتے تو انسانی فطرت کا کوئی رازداں یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ محض اس کتاب سے وہی انقلابات رونما ہوتے جو ان رہنماؤں کی عملی تعلیم سے ہوئے۔

دوسری طرف یہ بھی انسانی فطرت ہے کہ وہ انسانی رہنما کے ساتھ اس کی تعلیم کا ایک مستند اور معتبر بیان بھی چاہتی ہے، خواہ وہ کاغذ پر لکھا ہوا ہو، یا سینوں میں محفوظ ہو۔ رہنما جن اصولوں پر جماعت کے افکار و اعمال اور اخلاق و تمدن کی بنا رکھتا ہے، وہ اگر اپنی اصلی شکل میں محفوظ نہ رہیں تو رفتہ رفتہ اس کی تعلیم کا نقش دھندلا ہوتا جاتا ہے، اور اس نقش کے مٹنے کے ساتھ انفرادی سیرت اور اجتماعی نظم و آئین کی بنیادیں بھی کمزور ہوتی چلی جاتی ہیں حتیٰ کہ آخر میں اس جماعت کے پاس صرف افسانے ہی افسانے رہ جاتے ہیں، جن میں ایک طاقتور نظام تمدن کو سنبھالنے کی قوت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ جن رہنماؤں کی تعلیم محفوظ نہیں رہی ان کے متبعین گمراہی میں پڑ گئے، ان کی بنائی ہوئی امت ہر قسم کے اعتقادی، فکری، عملی، اخلاقی اور تمدنی مفاسد میں مبتلا ہو گئی، اور کوئی ایسی چیز ان کے پیچھے باقی نہیں رہی، جس سے وہ صحیح اور اصلی اصول اخذ کیے جا سکیں جن پر ابتداءً اس امت کی شیرازہ بندی کی گئی تھی۔

فاطر کائنات اپنی مخلوق کی اس فطرت سے واقف تھا، اس لئے اس نے جب نوع بشری کی ہدایت کا ذمہ لیا، تو اس کے لئے رسالت اور تنزیل دونوں کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری کیا۔ ایک طرف بہترین سیرت رکھنے والے انسانوں کو رہنمائی کے منصب پر مقرر کیا اور دوسری طرف اپنا کلام بھی نازل کیا، تاکہ یہ دونوں چیزیں انسانی فطرت کے ان دونوں مطالبوں کو پورا کر دیں۔ اگر رہنما کتاب کے بغیر آتے، یا کتابیں رہنماؤں کے بغیر آتیں تو حکمت کا مقصود پورا نہ ہو سکتا۔

چراغ اور رہنما کی قرآنی مثال رسالت اور کتاب کے اس تعلق کو قرآن مجید ایک تمثیلی پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ اس نے جگہ جگہ رسول کو رہنما اور بدرقہ سے تشبیہ دی ہے جس کا کام گمراہوں کو سیدھا رستہ بتانا ہے، مثلاً وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (۲۱: ۵)، وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (۱۳: ۷)، فَاتَّبِعْنِیْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا (۱۹: ۴۳)، وَاَهْدِیَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى (۷۹: ۱۹)

دوسری طرف وہ کتاب کو "نور" اور "ضیاء" اور "برہان" اور "فرقان" اور "منیر" اور "مبین" کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے، مثلاً وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ (۷: ۱۹) وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَهَارُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَاءً (۲۱: ۴) قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ (۵: ۳) قَدْ جَاءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ (۴: ۲۴) یہ تشبیہات محض شاعری نہیں ہیں، بلکہ ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ان سے یہ بتانا مقصود ہے کہ معمولی انسان کو فطری عقل اور اکتسابی علم سے اتنی روشنی اور رہنمائی حاصل نہیں ہوتی جس سے وہ حق کی سیدھی راہ پر چل سکے۔ اس اجنبی اور اندھیری منزل میں اس کو ایک ایسے غیر معمولی رہنما کی ضرورت ہے جو اس منزل کی رسم وراہ سے واقف ہو، اور ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ایک چراغ بھی ہو، تاکہ وہ اسے لئے ہوئے قدم قدم پر بتاتا چلے کہ یہاں گڑھا ہے، یہاں قدم پھسلتا ہے، یہاں کانٹے اور جھاڑیاں ہیں، یہاں سے دوسرے ٹیڑھے اور غلط راستے نکلتے ہیں، اور اس کے پیچھے چلنے والا انسان خود بھی اس چراغ کی روشنی میں راہ کے نشانات کو دیکھ کر، سیدھی راہ کی علامات کو پہچان کر، ٹیڑھے راستوں کے موڑوں اور نکڑوں سے واقف ہو کر علیٰ وجہ البصیرت اس کا اقتدا کر سکے۔ رات کے اندھیرے میں رہنما اور چراغ کے درمیان جو تعلق ہوتا ہے وہی تعلق رسول اور کتاب میں بھی ہے۔ اگر ہم رہنما کے ہاتھ سے چراغ چھین لیں اور خود اس کو لے کر چلنے لگیں تو راستے میں ہم کو بہت سے ایسے ترا ہے جو راہے اور مشابہ راستے ملیں گے جہاں ہم کو یا تو حیران وپریشان ہو کر ٹھیر جانا ہوگا، یا ہم اس چراغ کی روشنی میں کسی غلط راستے پر چلنے لگیں گے، کیونکہ محض چراغ کا وجود انسان کو رہنما سے بے نیاز نہیں کرتا

لہ آیہ یُضِلُّ بِهٖ کَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ کَثِیْرًا وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ (۲: ۳) میں منجملہ اور باتوں کے ایک اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے۔ انسان کو زمین پر اتارتے وقت فرمایا گیا تھا کہ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی (۲۰: ۷) اس لئے جو لوگ خدا کے بھیجے ہوئے ہادی کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر، اور اس تعلق کو جو خدا نے رسالت اور کتاب کے درمیان قائم کیا ہے قطع کر کے کتاب اللہ سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ گمراہ ہو جاتے ہیں اور کتاب منیر باوجود منیر ہونے کے انکو سیدھا راستہ نہیں بتاتی

اسی طرح اگر رہنما کے ہاتھ میں چراغ نہ ہو تو ہم محض اندھے مقلد کی طرح اس کا دامن پکڑتے ہوئے چلیں گے اور روشنی کے بغیر ہم میں خود اتنی بصیرت پیدا نہ ہو گی کہ سیدھے راستے کو ٹیڑھے راستوں سے ممتاز کر کے دیکھ سکیں اور سیدھی راہ کے ان نازک مقامات کو بھی پہچان لیں جہاں انسان ٹھوکر کھاتا ہے یا اس کا قدم پھسل جاتا ہے۔ پس جس طرح ہم کو رات کی تاریکیوں میں اجنبی راہوں پر چلنے کے لئے ایک ایسے بدرقے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو اس منزل کی رسم و راہ سے خوب واقف ہو اور ایک مشعل کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس کی روشنی میں ہم اس راستے کو خوب پہچان سکیں، اور ان دونوں میں سے کسی ایک سے ہم بے نیاز نہیں ہو سکتے، اسی طرح حقیقت کی اجنبی منزل میں جہاں ہماری عقل کی روشنی تنہا کام نہیں دیتی ہم کو رسول اور کتاب دونوں کی یکساں ضرورت ہوتی ہے، اور ان میں سے کسی کے اتباع کو چھوڑ کر ہم سیدھی راہ نہیں پا سکتے۔

رسول وہ ماہر بدرقہ ہے جو خدا کی دی ہوئی بصیرت سے ہدایت کی صراط مستقیم کو جانتا ہے اور اس منزل کی رسم و راہ سے ایسا واقف ہوتا ہے جیسا کسی راہ پر سینکڑوں مرتبہ چلا ہوا بدرقہ اس کے ہر ہر قدم کی تفصیلی کیفیات سے واقف ہوا کرتا ہے۔ اسی بصیرت کا نام "حکم" اور "علم" اور "شرح صدر" اور "تعلیم الٰہی" و "ہدایت ربانی" ہے جسے خصوصیت کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو عطا کئے جانے کا ذکر بار بار قرآن میں آیا ہے مثلاً

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (۹۴) وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (۴: ۱۷) وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (۲۱: ۶) اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (۳۶: ۲) اور کتاب وہ روشن چراغ ہے جس کی مدد سے رسول اپنے پیروؤں کو نہ صرف سیدھی راہ چلاتا ہے بلکہ انہیں اسی نور علم، اور روشنی فکر، اور عرفان حق سے بہرہ مند کر دیتا ہے جو ایک بالاتر درجے میں اللہ کی طرف سے خود اس کو عطا ہوا ہے، اور اپنی تعلیم و تربیت سے انہیں اس قابل بنا دیتا ہے کہ اگر وہ اس کے نقش قدم پر چلیں اور اس چراغ کو ہاتھ میں رکھیں تو نہ صرف خود ہدایت پائیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی رہنما اور امام بن جائیں۔

كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ۔ (۱۴:۱)	کتاب جس کو ہم نے تیری طرف اتارا تاکہ تو لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لائے۔
وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۱۶:۶)	اور ہم نے تجھ پر ذکر (قرآن) اتارا تاکہ تو لوگوں کے لئے اس ہدایت کو واضح کردے جو ان کی طرف اتاری گئی ہے شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔

پھر ایک بلیغ انداز میں قرآن نے یہ بھی بتادیا کہ مادی جسمانی عالم میں چراغ اور رہنما کے درمیان جو مغائرت ہے وہ عالم حقیقت میں رسول اور کتاب کے درمیان نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک اتحادی رشتہ ہے چنانچہ بعض جگہ جس چیز سے کتاب کو تشبیہ دی گئی ہے اسی چیز سے کسی دوسری جگہ رسول کو بھی تشبیہ دی گئی ہے اور اسی طرح اس کے برعکس آیہ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيْرًا وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (۲۲:) میں رسول کو چراغ روشن کہا ہے اور آیہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (۱۷:) میں کتاب کو رہنما کہا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کتاب اور رسول کا تعلق حقیقۃً ناقابل انقطاع ہے انسان کو ہدایت کیلئے دونوں کی یکسان ضرورت ہے۔ اسلام جس فکری و عملی نظام اور جس تہذیب و تمدن کو قائم کرنا چاہتا ہے اس کے قیام و استحکام اور اس کے دائماً اپنی صحیح شکل میں رہنے کے لئے ناگزیر ہے کہ ہمیشہ رسالت اور کتاب دونوں کے ساتھ اس کا تعلق برقرار رہے۔ اسی شدید ضرورت کی بنا پر رسالت اور کتاب دونوں کو الگ الگ مستقل اجزائے ایمان قرار دیا گیا، اور ہر ایک پر ایمان لانے کی بار بار تاکید کی گئی۔ اگر تاکید مقصود نہ ہوتی تو ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ رسول کی تصدیق اس کی لائی ہوئی کتاب کی تصدیق کو متضمن ہے، اور کتاب کی تصدیق اس کے لانے والے کی تصدیق کو۔

تمام کتب آسمانی پر ایمان جہاں تک ایمان کا تعلق ہے، اسلام ان تمام کتابوں کو ماننے کا حکم

دیتا ہے جو خدا کی طرف سے اس کے رسولوں پر نازل کی گئی ہیں مسلمان ہونے کے لیے جس طرح تمام رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح تمام کتابوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن میں بار بار کہا گیا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (۲:۱)۔	اور پرہیزگار وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو تیری طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تجھ سے پہلے اتاری گئی تھیں۔
كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (۲:۴۰)	رسول اور سب مومن ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر
نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (۳:۱)	اللہ نے تجھ پر حق کے ساتھ کتاب اتاری جو تصدیق کرتی ہے ان تمام کتابوں کی جو اس کے آگے آچکی ہیں
قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۳:۹)	کہہ دے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہم پر اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اتاری گئی تھیں اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دی گئی تھیں ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اس کو ماننے والے ہیں۔
اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ فِي	جن لوگوں نے اس کتاب اور ان کتابوں کو جھٹلایا جن کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا ان کو عنقریب اس کا انجام معلوم ہو جائے گا جب طوق و سلاسل

الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ (۴۰: ۸)	ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے اور وہ کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹے جائیں گے پھر آگ میں جھونک دیے جائیں گے
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (۵۷: ۳)	بہ تحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجا تھا اور ان کے ساتھ کتاب اتاری تھی، اور ترازو تاکہ لوگ حق پر قائم ہوں۔

اس اجمالی بیان کے ساتھ بعض کتابوں کے نام لے کر بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ مثلاً توریت کو ہدایت، نور، فرقان، ضیا، امام اور رحمت کہا گیا ہے (۲۸: ۵ - ۵: ۶ - ۲۱: ۴ - ۴۶: ۲) اور انجیل کو بھی ہدایت، نور اور موعظت کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے (۵: ۴) پس یہ بات اسلام کے اصول میں سے ہے کہ جن کتابوں کا ذکر تصریح کے ساتھ قرآن میں کیا گیا ہے ان پر صراحتہً، اور جن کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ان پر اجمالاً ایمان لایا جائے۔ اسلامی اعتقاد کے مطابق دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں اللہ کے رسول، اس کی طرف سے کتابیں لے کر نہ آئے ہوں اور جتنی کتابیں دنیا کے مختلف خطوں مختلف قوموں میں آئی ہیں، وہ سب ایک ہی سرچشمے کی نہریں، ایک ہی آفتاب کی شعاعیں تھیں۔ سب اسی حق اور صداقت، اور ہدایت اور نور کے ساتھ آئی تھیں جس کا نام "اسلام" ہے۔ اس لئے جو "مسلم" ہے وہ ان سب پر ایمان لاتا ہے، اور جو ان میں سے کسی کی تکذیب کرتا ہے وہ سب کی تکذیب اور درحقیقت اصل سرچشمے کی تکذیب کا مجرم ہے۔

صرف قرآن کا اتباع

لیکن ایمان کے بعد جہاں سے بالفعل اتباع کی سرحد شروع ہوتی ہے وہاں دوسری کتابوں سے تعلق منقطع کر کے صرف قرآن کے ساتھ تعلق رکھنا ضروری ہے۔ اس کے متعدد وجوہ ہیں۔

اوّلاً کتب آسمانی میں سے بہت سی کتابیں تو اب معدوم ہیں۔ اور جو پائی جاتی ہیں ان میں قرآن کے سوا کوئی کتاب اپنے اصل الفاظ اور معانی میں محفوظ نہیں ہے۔ کلام الٰہی کے ساتھ کلام انسانی لفظاً

اور معنیً دونوں طرح شریک ہوگیا ہے۔ ہدایت کے ساتھ گمراہی جو خواہشات نفسانی کے اتباع کا لازمی نتیجہ ہے، ان کتابوں میں مل جل گئی ہے، اور اب یہ تمیز کرنا مشکل ہے کہ ان میں حق کس قدر ہے اور باطل کس قدر۔ یہی حال ان کتابوں کا بھی ہے جن پر مختلف ملتیں اپنے دین کا مدار رکھتی ہیں، اور جن کے آسمانی ہونے کا شبہ کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جن میں منزل من اللہ ہونے کا تخیل ہی سرے سے موجود نہیں بعض کے متعلق یہ تک پتہ نہیں چلتا کہ اگر وہ خدا کی طرف سے آئیں تو کن نبیوں کے پاس آئیں اور کس زمانے میں آئیں بعض کی زبانیں ایسی مردہ ہوچکی ہیں کہ آج ان کے صحیح معانی متعین کرنا مشکل ہے۔ بعض میں انسانی خواہشات، اور غلط تخیلات و اوہام کی صریح آمیزش معلوم ہوتی ہے بعض میں شرک، غیر اللہ کی پرستش، اور ایسے ہی دوسرے غلط عقاید اور اعمال کی صریح تعلیم موجود ہے جو کسی طرح حق نہیں ہوسکتی۔ ایسی کتابیں جن کا یہ حال ہو انسان کو صحیح علم اور صحیح روشنی نہیں دے سکتیں۔ انسان ان کا اتباع کرکے گمراہی سے محفوظ نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً قرآن کے سوا جتنی کتابیں اس وقت موجود ہیں، عام اس سے کہ آسمانی ہوں یا ان کے متعلق آسمانی ہونے کا شبہ کیا جاسکتا ہو، ان کی تعلیمات اور ان کے احکام میں یا تو محدود نسلی قومیت کا اثر نمایاں ہے، یا مخصوص زمانی حالات کا اقتضاء غالب۔ وہ ہر زمانے میں تمام نوع بشری کے لئے ہدایت و رہنمائی کا نہ کبھی ذریعہ بنی ہیں اور نہ بن سکتی ہیں۔

ثالثاً اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کتابوں میں سے ہر ایک میں ایسی تعلیمات موجود ہیں جو حق اور صدق ہیں، اور ان میں انسان کے اخلاق اور معاملات کی اصلاح کے لئے بعض اچھے اصول اور قوانین بھی موجود ہیں، لیکن ان میں کوئی ایک کتاب ایسی نہیں ہے جو تمام خیرات کی جامع ہو جس میں پورا حق ظاہر کردیا گیا ہو، جو تنہا انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں اس کی صحیح رہنمائی کرسکتی ہو۔

قرآن مجید ان تینوں خامیوں سے پاک ہے۔

۱۔ وہ انہی الفاظ میں محفوظ ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیش کیا تھا۔ اول روز سے سینکڑوں ہزاروں، لاکھوں آدمیوں نے ہر زمانے میں اس کو لفظ بہ لفظ یاد کیا ہے، لاکھوں کروڑوں آدمیوں نے روزانہ اس کی تلاوت کی ہے، ہمیشہ اس کے نسخے ضبط کتابت میں لائے جاتے رہے ہیں، اور کبھی اس کی عبارت میں ذرہ برابر اختلاف نہیں پایا گیا ہے۔ لہذا اس امر میں کسی شک وشبہ کی گنجایش نہیں ہے کہ جو قرآن نبی عربی صلعم کی زبان سے سنا گیا تھا وہی آج دنیا میں موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔ اس میں کبھی ایک لفظ کا تغیر و تبدل نہ ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے۔

۲۔ وہ عربی زبان میں اترا ہے جو زندہ زبان ہے۔ اس کے بولنے والے اور سمجھنے والے آج کروڑوں انسان موجود ہیں، اور آج تک اس زبان کا فصیح اور معیاری لٹریچر وہی ہے جو نزول قرآن کے وقت تھا۔ اس کے معانی اور مطالب معلوم کرنے میں انسان کے لئے وہ دقتیں نہیں ہیں جو مردہ زبانوں کی کتابوں کے سمجھنے میں پیش آتی ہیں۔

۳۔ وہ سراسر حق، اور از اول تا آخر الٰہی تعلیمات سے لبریز ہے۔ اس میں کہیں انسانی جذبات، نفسانی خواہشات قومی یا طائفی خودغرضیوں اور جاہلانہ گمراہیوں کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

۴۔ اس میں تمام نوع بشری کو خطاب کیا گیا ہے، اور ایسے عقائد، اصولِ اخلاق اور قوانین عمل پیش کئے گئے ہیں۔ جو کسی ملک و قوم اور کسی خاص زمانے کے لئے مخصوص نہیں ہیں۔ اس کی ہر تعلیم عالمگیر بھی ہے۔ اور جاودانی بھی۔

۵۔ اس کے اندر ان تمام حقایق و معارف اور خیرات و صالحات کو جمع کر دیا گیا ہے جو اس سے پہلے کی آسمانی کتابوں میں بیان کئے گئے تھے۔ کسی مذہب کی کتاب سے ایسی کوئی بات نکال کر نہیں بتائی جاسکتی جو حق اور نیکی ہو، اور قرآن اس کے ذکر سے خالی ہو۔ ایسی جامع کتاب کی موجودگی میں انسان آپ سے آپ دوسری تمام کتابوں سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔

۶۔ وہ آسمانی ہدایات اور الٰہی تعلیمات کا جدید ترین مجموعہ (Latest edition)
ہے بعض ہدایات جو پچھلی کتابوں میں مخصوص حالات کے تحت دی گئی تھیں وہ اس میں سے نکال دی گئیں
اور بہت سی نئی تعلیمات جو پچھلی کتابوں میں نہ تھیں، اس میں اضافہ کر دی گئیں۔ لہٰذا جو شخص آباء و
اجداد کا نہیں بلکہ فی الواقع خدائی ہدایت کا پیرو ہے اس کے لیے لازم ہے کہ اسی آخری اور جدید ترین ایڈیشن
کا اتباع کرے نہ کہ پرانے ایڈیشنوں کا۔

یہی وجوہ ہیں جن کی بنا پر اسلام نے تمام کتابوں سے اتباع کا تعلق منقطع کرکے صرف قرآن کو
متبوع قرار دیا ہے اور تمام دنیا کو دعوت دی ہے کہ وہ اسی ایک کتاب کو اپنا دستور العمل بنائے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (۴: ۱۵)	ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس علم حق کے ساتھ فیصلہ کرے جو خدا نے تجھے دیا ہے۔
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۷: ۱۹)	پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی مدد و حمایت کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اس کے ساتھ اترا ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ ان قوموں کو بھی قرآن پر ایمان لانے اور اس کا اتباع کرنے کی دعوت دی گئی
ہے جن کے پاس پہلے سے کوئی آسمانی کتاب موجود ہے۔ چنانچہ بار بار قرآن میں حکم دیا جاتا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (۴: ۷)	اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی ہے ایمان لاؤ اس کتاب (قرآن) پر جسے ہم نے اتارا ہے اور جو ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہیں۔
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلُنَا	اے کتاب والو! تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے

يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتٰبٌ مُّبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ (۵:۳)

جو تمہارے لئے ان بہت سے چیزوں کو ظاہر کرتا ہے جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے، اور بہت سی چیزوں سے معاف بھی کر دیتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کھول کر بیان کرنے والی کتاب آگئی ہے جس کے ذریعہ سے اللہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہوں کی طرف ہدایت بخشتا ہے جو اس کی خوشنودی کا اتباع کرتے ہیں، اور وہ اس کے حکم سے ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ آيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفٰسِقُونَ (۲:۱۲)

اور ہم نے تیری طرف واضح اور کھلی ہوئی آیتیں اتاری ہیں، اور ان کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو فاسق ہیں۔

قرآن کے متعلق تفصیلی عقیدہ

جو کتاب انسان کے لئے فکر و اعتقاد کی صحیح رہنما قرار دی گئی ہو، اور جس کو عملی زندگی کے لئے واجب الاتباع قانون مقرر کیا گیا ہو، اس کی پیروی اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان اس کے صحیح اور برحق ہونے اور غلطیوں سے محفوظ ہونے کا پورا پورا یقین نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ اگر اس کی صحت کے متعلق کسی قسم کے شک نے راہ پالی تو اس کتاب پر سے اطمینان اٹھ جائیگا اور پھر جمعیت خاطر کے ساتھ اس کی پیروی نہ کی جاسکے گی۔ اس ضرورت کی بنا پر ایمان بالقرآن کے لازمی اجزا حسب ذیل ہیں جن کو قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا ہے:۔

۱۔ قرآن جس عبارت میں اترا تھا اسی عبارت میں محفوظ ہے کسی قسم کی کمی بیشی اس میں نہیں ہوئی۔ اس پر حسب ذیل آیات قرآنی دلالت کرتی ہیں۔

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ

اس کو جمع کرنا اور پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے لیکن

فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (۵:۷۵)
ہم اسے پڑھیں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو، پھر اس کے معانی کو سمجھا دینا بھی ہمارا کام ہے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۔ (۸۷)
ہم تم کو ایسا پڑھائیں گے کہ تم بھولنے نہ پاؤ گے، بجز اس کے جسے خدا بھلانا چاہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵:۱)
اس ذکر (قرآن) کو ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۱۸:۴)
تیری طرف تیرے رب کی کتاب سے جو کچھ وحی کیا گیا ہے اس کی تلاوت کر، اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے

۲۔ قرآن کی تنزیل میں کسی شیطانی قوت کا ذرہ برابر دخل نہیں ہے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۔ (۲۶:۱۱)
اس کو لے کر شیطان نہیں اترے ہیں، نہ یہ کام ان کے کرنے کا ہے۔ نہ وہ اس کو کر سکتے ہیں، بلکہ وہ تو وحی کے سننے سے بھی دور رکھے گئے ہیں۔

۳۔ قرآن میں خود نبی کی خواہش کا بھی کوئی دخل نہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (۵۳:۱)
وہ اپنے دل کی خواہش سے نہیں بول رہا ہے بلکہ یہ جو کچھ ہے وحی ہے جو اس پر اتاری جاتی ہے۔

۴۔ قرآن میں باطل کو ہرگز کوئی راہ نہیں ملی۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (۴۱:۵)
یقیناً یہ ایک محفوظ و مضبوط کتاب ہے، باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم اور سزاوار حمد ہستی کی اتاری ہوئی ہے۔

۵۔ قرآن سراسر حق، بے گمان اور اندازہ کی بنا پر نہیں بلکہ علم کی بنا پر اتارا گیا ہے، اس میں کجی اور ٹیڑھ نہیں، ٹھیک ٹھیک سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَیَهْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ۔ (۳۴:۱)	اور جو لوگ علم رکھتے ہیں وہ اس کتاب کو جو تیری طرف تیرے رب کے پاس سے اتاری گئی، یہ سمجھتے ہیں کہ وہی حق ہے اور خدائے عزیز و حمید کے راستہ کی طرف ہدایت کرتی ہے
وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ (۶۹:۲)	اور بلاشبہ وہ یقینی حق ہے۔
وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰی عِلْمٍ هُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (۷:۶)	اور ہم ان کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں جس کو ہم نے علم کی بنا پر مومنوں کے لئے مفصل ہدایت اور رحمت بنایا ہے۔
قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲۵:۱)	اے محمد کہدو کہ یہ کتاب اس نے اتاری ہے جو آسمانوں اور زمین کے سب راز جانتا ہے۔
ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (۲:۱)	یہی ایک کتاب ہے جس میں کوئی بات شک کی بنا پر نہیں کہی گئی ہے۔
وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا قَیِّمًا (۱۸:۱)	اور خدا نے اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ وہ بالکل سیدھی ہے
اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (۱۷:۱)	بے شک یہ قرآن وہی راستہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھا ہے

۶۔ قرآن کے احکام اور اس کی تعلیمات میں رد و بدل کا حق کسی کو حتیٰ کہ پیغمبر کو بھی نہیں ہے۔

قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اِنِّیْٓ اَخَافُ	اے محمد کہدو کہ میں اس کتاب کو اپنی طرف سے بدلنے کا حق نہیں رکھتا میں تو صرف اسی وحی کا اتباع کرتا ہوں

اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (۲:۱۰) جو میری طرف آتاری جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی
کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

۷۔ جو چیز قرآن کے خلاف ہے وہ ہرگز قابل تسلیم اور قابل اتباع نہیں ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا
مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ (۱:۷) گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کو چھوڑ کر اپنے مددگاروں
کی پیروی نہ کرو۔

یہ قرآن مجید کے متعلق اسلام کا تفصیلی عقیدہ ہے اور اس کے ہر جز پر اعتقاد رکھنا لازم ہے جس کے عقیدہ میں کسی جزو کی بھی کمی ہوگی وہ قرآن کا صحیح اور کامل اتباع نہ کر سکے گا، اور اس راہ راست سے ہٹ جائے گا جس کا نام اسلام ہے"

جامعہ اسلامی کا سنگ بنیاد ایک کتاب اور ایک رسول پر ایمان، اسی کا اتباع اسی کے بنائے ہوئے سانچے میں ذہنیتوں کا ڈھل جانا، اسی ایک منبع سے تمام اعتقادات، عبادات، اخلاق و معاملات، اور جملہ مدنی قوانین کا ماخوذ ہونا، اور اسی ایمان، اطاعت اور اتباع کے رشتے میں تمام پیروان اسلام کا منسلک ہونا اسلام کو ایک مستقل تہذیب اور مسلمانوں کو ہر قسم کے نسلی لسانی لونی اور جغرافی اختلافات کے باوجود ایک قوم بناتا ہے علم و عقل تحقیق و اجتہاد، نقطۂ نظر اور رجحان طبع کے فطری اختلاف سے یہ ممکن ہے کہ آیات قرآنی اور سنت نبوی سے مسائل کے استنباط، اور ان کے مفہوم اور مقصود کے سمجھنے میں اختلاف واقع ہو جائے، لیکن ایسا اختلاف محض جزئی اور فرعی اختلاف ہے، اور یہ ان مختلف فقہی اور کلامی مذاہب کو الگ الگ دین، اور ان کے ماننے والوں کو جدا جدا قومیں نہیں بناتا۔ اصل چیز جس پر ملت اسلام کی بنا قائم ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت رسولِ خدا ہونے کے واحد مقتدا، اور قرآن کو بحیثیت کتاب الٰہی ہونے کے واحد کتاب آئین تسلیم کرنا، اور اسی سرچشمے کو جملہ عقاید اور قوانین کا

ماخذ قرار دیتا ہے۔ اس اصل میں جو لوگ متفق ہیں وہ سب ایک قوم ہیں خواہ ان کے درمیان فرعی امور میں کتنا ہی اختلاف ہو۔ اور اس اصل سے جو لوگ اختلاف رکھتے ہیں، وہ سب اسلام کی نظر میں ایک دوسری قوم ہیں، خواہ وہ خود آپس میں کتنی ہی مختلف قومیتوں میں بٹے ہوئے ہوں۔

قرآن دراصل ان تمام امور کا جامع ہے جن پر اسلام کی بنا قائم ہے؛ جو قرآن پر ایمان لایا، وہ گویا خدا، اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں، اور یوم آخر پر بھی ایمان لے آیا، کیونکہ یہ تمام ایمانیات اپنی تفصیلات کے ساتھ قرآن میں موجود ہیں، اور ایمان بالقرآن کے راست اور درست ہونے کا یقینی ثمرہ یہی ہے کہ انسان کو پورا ایمان حاصل ہوجائے۔ اسی طرح قرآن میں شریعت اسلام کے تمام اصول اور اساسی قوانین بھی مندرج ہیں، جن کو صاحب شریعت علیہ السلام نے اپنے قول اور اپنے عمل سے واضح اور مشرح کر دیا ہے۔ لہٰذا جو شخص صحیح ایمان کے ساتھ قرآن اور سنت رسولؐ کو اپنی زندگی کے تمام معاملات میں واجب الاتباع قانون قرار دیتا ہے، وہ یقیناً اعتقاد اور عمل کے لحاظ سے مسلمان ہے۔ اسی ایمان اور اتباع کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔ جہاں یہ دونوں چیزیں موجود ہوں گی وہاں اسلام بھی ہوگا اور جہاں یہ نہ ہوں گی، وہاں اسلام بھی نہ ہوگا۔ (باقی)

کتب سماوی پر ایک نظر

(۴)

عہد جدید (اناجیل وغیرہ)

از جناب ذوقی شاہ صاحب

عہد جدید کی کتابیں | بائبل کے حصۂ جدید یعنی کتب عہد جدید کی موجودہ فہرست میں ستائیس (۲۷) کتابیں شامل ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) متی کی انجیل۔ (۲) مرقس کی انجیل۔ (۳) لوقا کی انجیل۔ (۴) یوحنا کی انجیل۔ (۵) رسولوں کے اعمال (۶) پولس رسول کا خط رومیوں کو۔ (۷) پولس رسول کا پہلا خط قرنتیون کو۔ (۸) پولس رسول کا دوسرا خط قرنتیون کو۔ (۹) پولس رسول کا خط گلتیون کو۔ (۱۰) پولس رسول کا خط افسیون کو (۱۱) پولس رسول کا خط فلپیون کو۔ (۱۲) پولس رسول کا خط قلسیون کو (۱۳) پولس رسول کا خط تسلونیقیون کو۔ (۱۴) پولس رسول کا دوسرا خط تسلونیقیون کو۔ (۱۵) پولس رسول کا پہلا خط تمطاؤس کو۔ (۱۶) پولس رسول کا دوسرا خط تمطاوس کو (۱۷) پولس رسول کا خط طیطس کو۔ (۱۸) پولس رسول کا خط فلیمون کو۔ (۱۹) عبرانیون کو خط۔ (۲۰) یعقوب کا خط۔ (۲۱) پطرس کا پہلا خط (۲۲) پطرس کا دوسرا خط۔ (۲۳) یوحنا کا پہلا خط۔ (۲۴) یوحنا کا دوسرا خط۔ (۲۵) یوحنا کا تیسرا خط۔ (۲۶) یہوداہ کا خط۔ (۲۷) یوحنا فقیہ کے مکاشفات کی کتاب۔

کتب غیر مشمولہ | جو معاملات کہ کتب عہد عتیق کے ساتھ پیش آئے کچھ اسی نوع کے بلکہ ان سے بھی زیادہ ان سے معاملات کتب عہد جدید کے ساتھ بھی پیش آچکے ہیں عیسائی مفسرین و مصنفین ہی کی تحریروں سے پایا جاتا ہے کہ کم از کم ایک سو اٹھاون (۱۵۸) کتابیں ایسی ہیں جو کسی نہ کسی زمانہ مین کسی نہ کسی گروہ

کے نزدیک معتبر و مقدس نہیں مگر اب محققین کے نزدیک جعلی اور مجموعۂ عہد جدید سے خارج ہیں کم از کم کی قید اس لئے لگائی گئی کہ قوی احتمال ہے کہ اس نوع کی کتابوں کی تعداد اس سے بھی زاید ہو اور ان کا ذکر عیسائی مصنفین کی تحریروں میں نہ آیا ہو یا آیا ہو مگر وہ تحریریں ہم تک نہ پہنچی ہوں جبکہ ان کتابوں کو اہل کتاب ہی نے مجروح کرکے ناقابل اعتماد قرار دیدیا تو ہمیں ان کے نام اور ان کی تفصیل سے ان اوراق کو رنگین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جنہیں ان کے نام دریافت کرنے کا شوق ہو وہ ان کتابوں کو دیکھیں:۔ ہارن صاحب کا "انٹروڈکشن علوم بائبل پر" مطبوعہ لندن ۱۸۲۵ء جلد ۱۔ لارڈنر صاحب کے ورکس مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء جلد ۴۔ جارج سیل کی تحریریں مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء اکیہومو اور ایوکرلفل نیوٹسٹیمنٹ مطبوعہ لندن ۱۸۲۰ء۔ اور عیسائیوں کے مشنری اخبار نورافشاں لدھیانہ کی اشاعت ۲۷ جولائی ۱۸۷۶ء کے صفحہ ۲۳۶ پر پادری ویری صاحب کا مضمون ۔ ہارن صاحب نے اپنے انٹروڈکشن میں اس پر زیادہ مفصل بحث کی ہے وہ اپنی کتاب جلد ا کے صفحہ ۲۴۶ پر لکھتے ہیں کہ کتب غیر مشمولہ میں چند کتابیں ایسی بھی تھیں جن کی بابت بیان کیا جاتا تھا کہ وہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی لکھی ہوئی ہیں ۔ ان کے یہ نام بیان کئے جاتے ہیں:۔

(۱) نامہ بنام آبگارس ۔ (۲) نامہ بنام پیٹر و پال ۔ (۳) کتاب تمثیلوں اور وعظ کی (۴) کتاب مناجات مسیح ۔ (۵) کتاب سحر ۔ (۶) کتاب پیدائش مسیح و مریم ۔ (۷) نامے جو آسمان سے گرے ۔ (۸) نامہ حضرت مسیح جو منی کیس نے پیدا کیا ۔

رومن تواریخ کلیسا مطبوعہ مرزا پور ۱۸۵۶ء جلد ۲ کے صفحہ ۳۶ پر درج ہے کہ سنہ ۳ء میں مورخ یوسی بس (Eusibius) نے شہر ادیسہ کے شاہی دفتر میں دو خط پائے جن میں سے ایک خط اگرس بادشاہ کی طرف سے مسیح کے نام تھا جس میں اس نے ایک شدید مرض میں اپنے مبتلا ہونے کا حال لکھ کر مسیح سے درخواست کی تھی کہ اسے تندرست کر دے اور دوسرا خط مسیح کی طرف سے بادشاہ کے خط کا جواب تھا مسیح کا یہ خط بھی

مروجہ مجموعہ کتب عہد جدید میں شامل نہیں۔

اخبار نور افشاں مورخہ ۹ جولائی ۱۸۷۳ء جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۱۲۳ کالم ۳ میں پادری ویری صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"جعلی انجیلوں کے موجود ہونے سے ہم ناواقف نہیں ہیں بلکہ جن جعلی انجیلوں کا ہارن صاحب نے اپنی تصنیف میں حوالہ دیا ہے وہ ہمارے پاس بھی موجود ہیں۔ ان کو بعض بدعتیوں نے مروج کرنا چاہا تھا مگر وے اپنے فاسد ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکے"۔

جعل و فریب کی گرم بازاری جس زمانے سے یہ جعلی کتابیں متعلق ہیں وہ زمانہ جعل فریب کذب بیانی اور جھوٹی تحریروں کی اشاعت میں اس درجہ شہرۂ آفاق تھا کہ عیسائی مصنفوں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

لوقا باب ۱ آیہ ۱تا۴ میں ہے کہ:۔

"چونکہ بہتوں نے کمر باندھی کہ ان کاموں کا جو فی الواقع ہمارے درمیان انجام ہوئے بیان کریں۔ جس طرح سے انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کی خدمت کرنے والے تھے ہم سے روایت کی میں نے بھی مناسب جانا کہ سب کو سرے سے صحیح طور پر دریافت کرکے تیرے لئے اے بزرگ تھیوفلس بہ ترتیب لکھوں تاکہ تو ان باتوں کی حقیقت کو جن کی تو نے تعلیم پائی جانے"۔

اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ لوقا کے زمانہ میں لوقا کی طرح اور لوگوں نے بھی بکثرت انجیلیں لکھی تھیں مگر کچھ نہ معلوم ہوسکا کہ وہ کیسی تھیں۔ جھوٹی یا سچی۔

گلتیون کے باب ۱۔ آیہ ۶ میں ہے کہ:۔

میں تعجب کرتا ہوں کہ تم اتنی جلدی اُس سے جس نے تمہیں مسیح کے فضل میں بُلایا پھر کے دوسری انجیل کی طرف مائل ہوئے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ اناجیل اربعہ کے کوئی اور انجیل بھی تھی جو پولوس کے زمانہ میں مشہور ہو چکی تھی اور لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنے لگی تھی۔

پولوس کے تسلونیقیون کے نام دوسرے خط کے باب ۲ آیہ ۲ میں ہے کہ:۔

تم اس خیال سے کہ مسیح کا دن آپہنچا ہے جلد اپنے دل کی ڈھارس ست کھوؤ اور نہ گھبراؤ نہ کسی روح نہ کسی کلام نہ کسی خط سے یہ سوچکر کہ وہ ہماری طرف سے ہے۔کوئی تمہیں کسی طرف سے فریب نہ دے۔"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پولوس ہی کے زمانے سے جعلی خطوں کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا۔بلکہ ۲ قرنتون کے باب ۱۱ آیہ ۱۳ و ۱۴ میں تو اس بات کی شہادت بھی موجود ہے کہ پولوس ہی کے زمانہ سے جھوٹے دغاباز اور گمراہ کن مدعیان رسالت کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا تھا۔یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا۔چنانچہ اسکاٹ صاحب کی رومن تفسیر مطبوعہ آلہ آباد ۱۸۶۶ء کے صفحہ ۱۸۶ پر لکھا ہے کہ:۔

نہ صرف جعلی مصنف بلکہ مسیح ہونے کا بہتوں نے دعویٰ کیا تھا چنانچہ یوسف مورخ کتنوں کا ذکر کرتا ہے وہ یوں لکھتا ہے کہ ملک جادوگروں اور دغابازوں سے بھر گیا تھا جنہوں نے بہتوں کو ورغلانا اور بیابان میں لے گئے تاکہ اپنی کرامتیں دکھلائیں۔ان میں سے دوسیتھیوس سامری کا ذکر ہے جس نے اپنے آپ کو مسیح کہا اور شمعون مجوسی جو اپنے آپکو خدا کا بیٹا کہتا تھا اور تھوداس جس نے بہت لوگوں کو دھوکہ دیکر کہا کہ میں یردن ندی کو دو حصہ کرکے بیچ میں راستہ بنا دوں گا۔القصہ چوبیں شخصوں کا ذکر ہے جنہوں نے اورین قیصر کے وقت سے لیکر ۱۶۸۲ء تک مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔"

ظاہر ہے کہ ان جعلسازوں اور جھوٹے مدعیان رسالت والوہیت کی کثرت نے تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ سادہ لوحوں کی گمراہی کے لئے کیا کچھ سامان فراہم نہ کیا ہوگا۔مگر مزید برآں جو بات زیادہ

قابل افسوس ہے یہ ہے کہ اُس زمانہ کے دیندار عیسائیوں نے بھی معاملات دین میں کذب بیانی کا شیوہ اختیار کر لیا تھا اور یہ سمجھ رکھا تھا کہ دین اور خدا پرستی کی ترقی اور حق بات کی تائید میں جھوٹ اور غلط بیانی سے مدد لینا ثواب کا کام ہے۔ اس خیال کی ابتدا کا سراغ ہمیں پولوس مقدس کی تحریریں ملتا ہے اور ان کا اس پر عامل ہونا بھی انہیں کے بیان سے پایا جاتا ہے۔ انہوں نے جو خط رومیوں کو بھیجا تھا اور جو مجموعہ کتب عہد جدید میں شامل ہے اس کے باب ۳ آیہ ۷، ۸ میں ہے کہ:۔

"پھر اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی اس کے جلال کے لئے زیادہ ظاہر ہوئی تو مجھ پر کیوں گنہگار کی طرح حکم ہوتا ہے۔ اور ہم کیوں برائی نہ کریں تاکہ بھلائی نکلے چنانچہ یہ تہمت ہم پر لگائی بھی جاتی ہے"

پہلی صدی عیسوی کے متعلق موشیم صاحب اپنی تاریخ مطبوعہ ۱۸۶۰ء کے حصہ ۲ باب ۲ صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں کہ "متعدد وجوہ تھے جن کے باعث ضرورت محسوس ہوئی کہ تمام انجیلوں کو ایک نسخہ میں جمع کر دیا جاوے۔ بڑی وجہ یہ تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور تعلیمات اور اُن کے آسمان پر جانے کے واقعات غلط کہانیوں کی صورت میں ایسے لوگوں نے لکھے تھے جن کے ارادے بد نہ تھے مگر جو جھوٹے مذہب والوں اور سادہ لوح مگر فریبی یا فریب خوردہ خدا پرستوں سے اُنس و رغبت رکھتے تھے۔ اس کے بعد دنیا میں بہت سی تحریریں پھیل گئیں جن کی بنیاد کذب پر تھی اور جن پر پاک پیغمبروں کے نام بطور مصنفوں کے درج کر دیے گئے تھے۔"

دوسری صدی عیسوی کے ذکر میں رومن تواریخ کلیسا مطبوعہ مرزا پور ۱۸۵۶ء کے صفحہ ۹۰ پر مندرجہ ذیل عبارت درج ہے:۔

دوسری صدی میں مسیحیوں میں گفتگو ہی کہ جب بت پرست فیلسوف اور حکیموں کے ساتھ دین کا مباحثہ کیا جاوے تو انہیں کے بحث کا طور اور طریقہ اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں اور آخر کار اُرِجن وغیرہ کی رائے کے بموجب طریقہ مذکور تسلیم ہوا۔ اس سے

البتہ مسیحی محاثوں کی تیز عقلی اور نکتہ سنجی نے بحث میں زیادہ رونق پائی لیکن راستی اور صفائی میں کچھ خلل پڑا۔ پھر اسی سبب سے بعضے لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ جعلی تصنیفات پیدا ہوئیں جو کہ اس زمانہ کے بعد کثرت سے لکھی گئیں۔ اس طرح سے کہ جب فیلسوف لوگ کسی طریقہ کی پیروی کرتے تھے تو کبھی کبھی اُس کے حق میں کتاب لکھ کر کسی معروف حکیم کے نام سے اجرا کرتے تھے کہ اس حیلے سے لوگ اس پر متوجہ ہو کر اس کی باتیں زیادہ مانیں اگرچہ اُس کی باتیں برملا خود مصنف کی ہوتیں۔ سو اسی طرح مسیحی جو فیلسوفوں کی طرح بحث کرتے تھے کتاب لکھ کر کسی حواری یا خادم حواری یا معروف اسقف کے نام سے رواج دیتے تھے۔ ایسا دستور تیسری صدی میں شروع ہوا اور کئی سو برس تک رومی کلیسیا میں جاری رہا۔ یہ بات بہت ہی خلاف حق اور قابل الزام شدید تھی"۔

اوڈن صاحب اقرار کرتے ہیں کہ دسویں صدی میں جعل اور جھوٹ کا جو دریا مسیحیوں میں موج زن تھا اُسی کا ایک کرشمہ یہ بھی تھا کہ نامہ تھامس بھی جعل سے بنایا گیا۔ لب التواریخ مطبوعہ ۱۸۲۹ء جلد ۲ باب ۹ فصل ۱ صفحہ ۳۹ پر یہ اعتراف بھی درج ہے کہ ایسوڈورس کے مکتوب کا جعل سولہویں صدی تک مکمل طور پر آشکارا نہ ہوا تھا۔ ہارن صاحب اپنی تفسیر مطبوعہ لندن ۱۸۲۲ء کی دوسری جلد کے صفحہ ۳۳۱ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"بلاشبہ بعض خرابیاں (یعنی تحریفیں) جان بوجھ کر اُن لوگوں نے کی ہیں جو کہ دیندار مشہور تھے اور اس کے بعد انہیں خرابیوں کو ترجیح دی جاتی تھی تاکہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اعتراض اپنے پر نہ آنے دیں"

مختصر یہ کہ دین عیسوی کے متعلق بکثرت جعلی انجیلیں اور جھوٹی مذہبی تحریریں وجود میں آئیں اور وقتاً فوقتاً وجود میں آتی رہیں مگر عیسائی علماء ہی نے انہیں جعلی اور ناقابل اعتماد قرار دے کر مجموعہ

عہد جدید میں شامل نہ ہونے دیا۔ اور اِن جعلی تصانیف کے وجود میں آنے کے جو اسباب خود عیسائی مصنفین نے بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ عیسائیوں کے ہر فرقہ نے اپنے مسلک کی تائید میں کتابیں لکھ ڈالیں اور اُنہیں کسی حواری، حواری کے خادم، یا کسی بڑے شخص کے نام سے نامزد کر دیا۔

۲۔ جعلی مسیح، ابن اللہ اور رسول ہونے کے جھوٹے دعویدار دروغگو کذاب اور فریبیوں کی کثرت مختلف دور میں جعلی تصانیف کے اضافہ کا باعث ہوتی رہی۔

۳۔ دیندار طبقات نے بھی دین کی خاطر حق کی تائید میں جھوٹ بولنا جائز سمجھ لیا اور اس خیال وعمل میں بہ اعتراف خود پولوس بھی شریک تھے۔

اِس وقت صرف اِسی امر سے بحث ہے کہ یہ اسباب جعلی تحریروں کے وجود میں آنے کا باعث ہوئے۔ مگر آگے چلکر معلوم ہوگا کہ اِن کے اثر سے وہ تحریریں بھی محفوظ نہ رہ سکیں جو علمائے نصاریٰ کے نزدیک معتبر ہیں اور جنہوں نے عیسائیوں کی مہربانی سے عہد جدید کے مجموعۂ کتب مقدسہ میں جگہ پائی

کتب مشمولہ عہد جدید کی حقیقت | عہد جدید میں جو ستائیس (۲۷) کتابیں شامل ہیں اُن میں عیسیٰ علیہ السلام پر جو انجیل نازل ہوی وہ شامل نہیں۔ نہ عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی لکھی ہوی کوئی کتاب شامل ہے۔ نہ کوئی ایسی کتاب اس مجموعہ میں پائی جاتی ہے جسے عیسیٰ علیہ السلام اپنے دور میں اپنی ہدایت اپنے اہتمام اور اپنی نگرانی کے تحت میں لکھوا کر اپنی امت کے لئے چھوڑ گئے ہوں۔ حالانکہ انجیل عیسیٰ کا وجود عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور اس کا ثبوت موجودہ اناجیل عہد جدید سے ہی پایا جاتا ہے۔ مرقس باب ۱ آیہ ۱۵ میں حضرت عیسیٰ کا یہ قول درج ہے کہ :۔

”وقت پورا ہوا اور خدا کی بادشاہت نزدیک آئی۔ توبہ کرو اور انجیل پر ایمان لاؤ“

مرقس باب ۱۰ آیہ ۲۹ و ۳۰ میں ہے کہ:۔

یسوع نے جواب میں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں ایسا کوئی نہیں جس نے گھر یا بھائیوں
یا بہنوں یا باپ یا ماں یا جورو یا لڑکے بالوں یا کھیتوں کو میرے اور انجیل کے لئے چھوڑ
دیا ہے جو بالفعل اس جہان میں سوگنا نہ پاوے۔"
متی باب ۲۶ آیہ ۱۳ میں مسیح کا یہ قول درج ہے۔
"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمام دنیا میں جہاں کہیں اس انجیل کی منادی ہوگی۔"
وہ کونسی انجیل ہے جس کی بابت آیات مندرجہ بالا میں اشارہ ہے؟ وہ انجیل کہاں ہے جس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے؟ جس کے لئے ماں باپ بہن بھائی بیوی بچے گھر بار کھیتی باڑی چھوڑ دینے پر سوگنے اجر کا وعدہ ہے؟ عہد جدید کی اناجیل اربعہ عیسیٰ علیہ السلام سے بہت بعد کی تصانیف ہیں جو حواریوں اور حواریوں کے شاگردوں سے منسوب کردی گئی ہیں اور جن کے مصنفین و مآخذ کے متعلق بھی خود عیسائیوں ہی میں بڑی بڑی بحثیں پیش آچکی ہیں۔ عہد جدید کی موجودہ ستائیس (۲۷) کتابوں میں عیسیٰ علیہ السلام کی نہیں بلکہ متی مرقس لوقا اور یوحنا کی انجیلیں شامل ہیں۔ رسولوں کے اعمال کی ایک کتاب ہے۔ پولوس کے چودہ (۱۴) خطوط، یعقوب کا ایک خط، پطرس کے دو خطوط، یوحنا کے تین (۳) خطوط، یہوداہ کا ایک خط، اور یوحنا فقیہ کے مکاشفات کی ایک کتاب شامل ہیں۔ یہ سب ملکر (۲۷) کتابیں ہوئیں۔ ان کتابوں کے متعلق مورخ یوسی بیئس کا قول ہے کہ یہ بھی تین اقسام میں منقسم ہیں۔ ایک وہ جن کے معتبر ہونے پر سب کو اتفاق ہے۔ اس میں یہ کتابیں شامل ہیں:-

اناجیل اربعہ، رسولوں کے اعمال، پولوس کے چودہ خط۔ پطرس کا پہلا خط، یوحنا کا پہلا خط۔ یہ سب ۲۱ کتابیں ہوئیں جن کی صحت پر عیسائیوں کا اتفاق بیان کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یوسی بیس یہ بھی کہتا ہے کہ شاید موقع ہے کہ مکاشفات کی کتاب بھی اس میں شامل کرلی جائے۔

دوسری قسم ان کتابوں کی ہے جن کی بابت۔ یوسی بیس کہتا ہے کہ صحت میں اختلاف ہے اور بعض کو

ان کی صحت میں شک ہے۔ اس میں یہ کتابیں شامل کی گئی ہیں:۔

یعقوب کا خط یہوداہ کا خط۔ پطرس کا دوسرا خط۔ اور یوحنّا کا دوسرا اور تیسرا خط۔ یہ سب ملکر پانچ (۵) کتابیں ہوئیں۔

تیسری قسم ان کتابوں کی ہے جن کے غیر معتبر ہونے پر سب کو اتفاق ہے۔ مگر اس نوع کی کتابوں میں یوسی بیس کو جرأت نہ ہوئی کہ شمولہ کتب عہد جدید میں سے کسی کا نام داخل کرے۔ مفتاح الکتاب کے مصنف نے البتہ باوجود عیسائی ہونے کے اخلاقی جرأت سے کام لیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نوع کی کتابوں میں بعض نے اس خط کو جو عبرانیوں کے نام ہے، اور یوحنّا کے مکاشفات کو داخل کیا ہے۔ بہر حال مشکوک کتابیں سات ہیں جن کے مشکوک ہونے کی بابت بقول پادری فانڈر صاحب عیسائیوں میں رائے عام ہے یہ کتابیں بائیبل کے اس سُریانی ترجمہ سے بھی خارج ہیں جو عیسائیوں کے قول کے مطابق ۱۲۰ء اور ...ء کے درمیان کا لکھا ہوا ہے۔ ان سات کتابوں کے نام یہ ہیں:۔

یعقوب کا خط۔ یہوداہ کا خط۔ پطرس کا دوسرا خط۔ یوحنّا کا دوسرا خط۔ یوحنّا کا تیسرا خط۔ عبرانیوں کو خط۔ مکاشفات یوحنّا۔

اب ہم سب سے پہلے اُن کتابوں پر نظر ڈالتے ہیں جو تمام عیسائیوں کے نزدیک سب سے زیادہ معتبر ہیں اور جن پر موجودہ عیسائیت کی بنیاد قرار دی جاتی ہے۔ ان میں سب سے مقدم چار انجیلیں ہیں۔ یہ انجیلیں متی یوحنّا مرقس اور لوقا کی ہیں۔ متی اور یوحنّا عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور حواری بیان کئے جاتے ہیں۔ اور مرقس و لوقا حواریوں کی طرف سے صرف انجیل کے سُنانے والے۔ ہم ان انجیلوں کو اسی ترتیب سے لیتے ہیں جس ترتیب سے کہ وہ عہد نامہ جدید میں درج کی گئی ہیں۔

انجیل متی متی کی انجیل کے متعلق یہ امر پایہ تحقیق کو پہنچ گیا ہے کہ یہ انجیل اصل میں عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی لارڈ نر نے اور ریکن کے تین اقوال اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انجیل عبرانی میں

لکھی گئی ۔ یوسی بیس اور اتہناسیس اور سرل اور جروم سب اس بات پر متفق ہیں کہ متی نے یہ انجیل عبرانی زبان میں لکھی ۔ ہارن صاحب نے اپنی تفسیر میں تئیس (۲۳) ایسے علماء کے نام لکھے ہیں جو متی کی انجیل کا عبرانی میں ہونا بیان کرتے ہیں ۔ ریو صاحب اپنی تاریخ انجیل میں لکھتے ہیں کہ :۔

"یہ بات غلط ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ متی نے انجیل یونانی میں لکھی تھی کیونکہ یوسی بیس اور بہت سے عیسائی علماء نے لکھا ہے کہ متی نے انجیل عبرانی میں لکھی ہے نہ کہ یونانی میں ۔"

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی جلد ۱۹ میں ہے کہ :۔

عہد جدید کی سب کتابیں یونانی میں لکھی گئیں الا انجیل متی اور نامہ عبرانیان جن کا عبرانی زبان میں لکھا جانا بہ دلائل متیقن ہے"۔

انجیل متی کے عبرانی زبان میں ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی ۔ اور یہ بات نہایت بعید از قیاس ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کی ہدایت کے لئے کوئی کتاب نہ چھوڑی ہو ۔ ہم اوپر مرقس باب ۱ آیہ ۱۵ اور باب ۱۰ آیہ ۲۹ و ۳۰ اور متی باب ۲۶ آیہ ۱۳ کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک انجیل کا وجود تھا ۔ ہارن صاحب بھی اپنی کتاب کی جلد ۴ میں لکھتے ہیں کہ :۔

"بعض قدیم علماء کا قول ہے کہ متی اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی میں ایک ایسا صحیفہ تھا جس میں حضرت عیسیٰ کے گذارشات لکھے تھے اور انہوں نے اس سے نقل کیا متی نے بہت اور لوقا اور مرقس نے تھوڑا ۔"

نورٹن صاحب اپنی کتاب علم اسناد مطبوعہ بوسٹن ۱۸۳۷ء کے دیباچہ جلد اول میں اکہارن کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ :۔

"ابتدائے ملت مسیحی میں احوال مسیح کے بیان میں ایک مختصر سا رسالہ تھا۔ جائز ہے کہ کہا جاوے کہ وہی اصلی انجیل تھی۔ اور غالب یہ ہے کہ یہ انجیل ان مریدوں کے واسطے بنائی گئی تھی جنہوں نے اقوال مسیح اپنے کان سے نہ سنے تھے اور نہ ان کے حالات اپنی آنکھ سے دیکھے تھے۔ چنانچہ یہ انجیل بمنزلہ قالب کے تھی اور اس میں حالات مسیح ترتیب سے نہ لکھے گئے تھے اور یہ انجیل جمیع اناجیل مروجہ صدی اول و دوم و نیز انجیل متی و لوقا و مرقس کا ماخذ تھی۔ پھر یہ تینوں انجیلیں یعنی متی و لوقا و مرقس دوسری اور انجیلوں پر فوقیت لے گئیں۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ اگرچہ ان تینوں میں اصل سے کچھ کمی ہو گئی تھی مگر یہ ان لوگوں کے ہاتھ پڑیں جو دوسری انجیلوں مثلاً انجیل فرقہ ماربیوں یا انجیل ٹی ٹنس وغیرہ سے بیزار ہو چکے تھے۔ ان تین انجیلوں کی کمی کو دوسری انجیلوں سے واقعات مسیح کو لیکر پورا کیا گیا اور نسب نامہ مسیح اور ولادت و بلوغ وغیرہ کے حالات بھی شامل کر دئے گئے۔ چنانچہ یہ حال اس انجیل سے جو تذکرہ کے نام سے مشہور ہے اور جس سے جسٹن نے نقل کیا تھا اور انجیل سرنتھس سے بخوبی ظاہر ہے۔ اگر ہم ان انجیلوں کے باقی ماندہ اجزاء سے مقابلہ کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل انجیل میں زیادتی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔"

پھر آگے چلکر نورٹن صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"اگر یہ کمی و زیادتی انجیل میں واقع نہ ہوئی ہوتی تو معتبر و مشہور مورخ سلوس یہ کیوں اعتراض کرتا کہ عیسائیوں نے اپنی انجیلیں تین بار یا چار بار بلکہ اس سے بھی زیادہ بار بدلی ہیں۔"

پھر فاضل نورٹن بعد میں یہ لکھتے ہیں کہ:۔

"کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ صرف اکہارن کی رائے ہے اس واسطے کہ اکہارن کی کتاب سے بڑھ کر کوئی کتاب ملک جرمن میں اب تک مقبول نہیں ہوئی بلکہ جرمنی کے بکثرت علمائے متاخرین نے اناجیل و نیز ان امور کے بارہ میں جن سے انجیل کی صحت پر الزام آتا ہے اکہارن کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔"

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقتباس خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ موشیم صاحب نے اپنی تاریخ مطبوعہ سنہ ۱۸۳۲ء کی جلد اول میں ناصری اور ابیونی فرقوں کے بیان میں لکھا ہے کہ:۔

"دونوں کے پاس ایک انجیل تھی جو ہماری انجیل سے مختلف ہے اور اس انجیل کی بابت ہمارے علماء میں اختلاف ہے۔"

میکلین نے اس عبارت پر بطور حاشیہ کے لکھا ہے کہ:۔

"انجیل ناصریوں والی یا عبرانی یقیناً وہی ہے جو فرقہ ابیونی کے پاس تھی اور بارہ حواریوں کی انجیل کر کے مشہور رہے۔"

ابیونی فرقہ کے متعلق اس قدر جان لینا ضروری ہے کہ یہ لوگ پولوس سے سخت نفرت کرتے تھے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے عیسیٰ علیہ السلام کو انسان سمجھتے تھے اور انہیں یوسف و مریم کا بیٹا تسلیم کرتے تھے یہ لوگ عیسویت کے ابتدائی زمانہ میں موجود تھے؛ یوحنا حواری کے زمانہ میں بھی تھے اور صرف متی کی اصلی انجیل کو جو کہ عبرانی زبان میں تھی مانتے تھے۔ اس عبرانی انجیل میں نسب نامہ مسیح نہ تھا۔

ٹامس اسکاٹ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اکثر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ عبرانی انجیل صعود عیسیٰ سے قریب آٹھ سال بعد لکھی گئی۔ بعض کے نزدیک سنہ ۳۷ء یا سنہ ۳۸ء میں لکھی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی اور قدیم ترین انجیل ہے جو سنہ ۶۳ء کے قریب لکھی گئی۔ مقام تصنیف یہودیہ اور مقصد تصنیف عبرانی عیسائیوں کی ہدایت بیان کیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ متی نے خود یا اس کے کسی ہم عہد نے اس کا ترجمہ عبرانی سے یونانی

زبان میں کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ:۔

"یعقوب نے جو خداوند کا بھائی تھا اس کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا" (تفسیر اسکاٹ)۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ترجمہ "حواریوں کے کسی مرید نے کیا" (پادری فانڈر صاحب) مگر اس میں شبہ نہیں کہ انجیل متی کا اصل عبرانی نسخہ مفقود ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط' اسی کتاب کا ہے یا کسی اور کتاب کا' صرف کتاب ہی کا ترجمہ ہے یا کچھ کمی وبیشی بھی کر دی گئی ہے۔ نہ ترجمہ کرنے والے کا صحیح نام معلوم ہو سکا نہ ترجمہ کی تاریخ کا صحیح حال کسی کو معلوم ہے' نہ اس دنیا میں کوئی عبرانی زبان کا نسخہ کہیں موجود ہے کہ اُس سے ترجمہ کا مقابلہ کیا جا سکے بلکہ ترجمہ کی عبارت اور عیسائی علماء کے اقوال شہادت دیتے ہیں کہ اس ترجمہ کو متی کی عبرانی انجیل سے کوئی تعلق نہیں۔ متی باب ۹ کی آیہ ۹ کو ذرا ملاحظہ فرمائیے:۔

"پھر یسوع وہاں سے آگے بڑھا تو متی نامی ایک شخص کو محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا اور اسے کہا میرے پیچھے آ وہ اٹھ کے اُس کے پیچھے چلا"

بھلا جس کتاب میں متی کے متعلق اس قسم کے جملے درج ہوں اسے متی کی تصنیف کون کہہ سکتا ہے؟

علاوہ ازیں متعدد غلطیاں ترجمہ مروجہ میں پائی گئیں ہیں جن پر عیسائی علماء نے بھی قلم اٹھایا ہے ان کی تفصیل طوالت طلب ہے اس لئے یہاں انھیں نظرانداز کیا جاتا ہے۔ بڑی بحث نسب نامہ مسیح میں ہے جو متی باب ا میں درج ہے۔ بلحاظ اس اہمیت کے جو کہ اس بحث کو حاصل ہے یہاں مختصراً اس کی بابت کچھ لکھا جاتا ہے۔

نسب نامہ مسیح

متی باب ا آیہ ۷ا میں ہے کہ:۔ پس سب پشتیں ابرہام سے داؤد تک چودہ ہیں اور داؤد سے بابل کو اٹھ جانے تک چودہ پشتیں اور بابل کو اٹھ جانے سے مسیح تک چودہ پشتیں ہیں۔

آیت مندرجۂ بالا میں نسب نامہ کو چودہ چودہ پشتوں کی تین تقسیموں میں منقسم کیا گیا ہے۔ اور یہ صریحاً غلط ہے پہلے حصہ میں اگر ابرہام اور داؤد کو بھی شامل کر لیا جاوے تب کہیں جا کر چودہ پشتیں پوری ہوتی ہیں۔

دوسرے حصہ میں اگر یلونیاہ کو شامل کیا جائے تب چودہ کی تعداد تو پوری ہو جاتی ہے مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ اس حصہ کے متعلق سلیمان سے لیکر یلونیاہ تک متی میں صرف چودہ پشتیں تبلائی گئی ہیں حالانکہ اول تواریخ باب ۳ میں اٹھارہ (۱۸) پشتوں کے نام گنوائے گئے ہیں۔ اور عیسائی علمار کے نزدیک بھی معتبر یہی اٹھارہ (۱۸) پشتیں ہیں۔ اسی امر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نیومین صاحب نہایت افسوس کے ساتھ فرماتے ہیں کہ:۔

"دین عیسوی میں ایک اور تین کو ایک ماننا پڑا تھا۔ اب اٹھارہ (۱۸) اور چودہ کو بھی ایک کہنا پڑا۔ کیونکہ کتب مقدسہ میں تو غلطی کا احتمال ہو ہی نہیں سکتا۔"

تیسرے حصہ میں سب نام حضرت عیسیٰ تک کے ملا کر خواہ کسی طرح سے اور کسی طرف سے گنیے تیرہ (۱۳) ہی ہوتے ہیں نہ کہ چودہ۔

علاوہ ازیں متی باب ۱ آیہ ۸ میں عُزیاہ کو یورام کا بیٹا تبلایا گیا ہے حالانکہ بموجب اول تواریخ باب (۳) آیہ ۱۱ و ۱۲ کے وہ یورام کے پوتے کا پوتا ہے یعنی درمیان سے تین نام اڑا دیے گئے پھر متی باب ۱ آیہ ۱۱ میں یلونیاہ کو یوسیاہ کا بیٹا قرار دیا گیا ہے حالانکہ وہ اس کا پوتا تھا۔ اور متی میں یلونیاہ کے بھائیوں کا ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ متی نے زروبابل کو سلتائیل کا بیٹا لکھا ہے حالانکہ وہ اس کا بھتیجا یعنی اُس کے بھائی فدایاہ کا بیٹا تھا۔ اور ابیہود کو زروبابل کا بیٹا لکھا ہے حالانکہ زروبابل کا کوئی بیٹا اس نام کا نہ تھا۔ طوالت کے خیال سے ہم اس سے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے حالانکہ ایسی غلطیاں اس کتاب میں بہت ہیں جب کتاب کا ایک جزو بھی غلط ثابت ہو جائے وہ ساری کی ساری اعتبار سے گر جاتی ہے۔

نسب نامہ کے متعلق مندرجہ بالا اعتراضات تو وہ ہیں جو عیسائی علماء ہی کی جانب سے وقتاً فوقتاً پیش ہو چکے ہیں۔ مگر یہاں نامناسب نہ ہوگا اگر ایک اعتراض ہم بھی اپنی طرف سے پیش کر دیں۔

وہ اعتراض یہ ہے کہ ایک طرف الوہیت مسیح کا دعویٰ اور دوسری طرف نسب نامہ پیش کرکے مسیح کو اولاد ابراہیم و داؤد ثابت کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ نسب نامہ یوسف نجار پر منتہی ہوجانا چاہئے تھا۔ مسیح کو یوسف نجار سے کیا تعلق؟۔ اگر مسیح کو الوہیت کا تاج پہنایا جاتا ہے، اگر مسیح کو خدا کا اکلوتا بیٹا کہا جاتا ہے تو پھر اس خاکی نسب نامہ کو انجیل میں داخل کرنے اور مسیح سے متعلق کرنے کی ضرورت ہی کونسی تھی؟۔ اس پر زیادہ تفصیلی بحث انشاء اللہ کسی دوسرے موقعہ پر آئے گی۔

انجیل متی کے متعلق اوپر کی ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ متی کی اصلی انجیل عبرانی میں لکھی گئی تھی جو موجودہ ساری انجیلوں پر مقدم تھی اور جواب ضایع ہوچکی ہے۔

۲۔ اس انجیل کے یونانی زبان میں ترجمہ کرنے والے کا نہ نام معلوم ہوتا ہے نہ حال نہ صحیح طور پر یہ معلوم ہے کہ یہ ترجمہ کب ہوا۔

۳۔ اس یونانی انجیل کو عبرانی انجیل والے متی سے کوئی تعلق نہیں۔

۴۔ یونانی انجیل متی میں بھی غلطیاں ہیں۔

۵۔ جو نسب نامہ اس میں درج ہے اسے عیسائی تک غلطیوں سے پر سمجھتے ہیں۔

۶۔ وہ عبرانی انجیل جو "بارہ حواریوں کی انجیل" کہلاتی ہے ابیونی فرقہ کے پاس تھی اور اس فرقہ کا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ صرف ایک برگزیدہ انسان تھے۔ (باقی)

تفسیر سورۂ انشراح

از

جناب مولوی اکرام علی صاحب محمدی

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۔

اس سورۂ شریف میں اللہ جل شانہ اپنے حبیب اکرم صلعم سے خصوصیت کے ساتھ فرماتا ہے "کیا ہم نے تیرے سینہ کو نہیں کھول دیا؟ اور ہم نے تجھ سے وہ بوجھ اتار دیا جس کی وجہ سے تیری پیٹھ بوجھل ہو رہی تھی۔ اور ہم نے تیرے آوازہ کو بلند کر دیا پس مشکلات کے ساتھ بیشک آسانی ہے۔ یقیناً مشکلات کے ساتھ آسانی ہے پس جب تو فارغ ہو تو محنت کر۔ اور اپنے پروردگار ہی کی طرف توجہ رکھ"

أَلَمْ نَشْرَحْ میں الف استفہامیہ ہے۔ استفہام کی دو قسمیں ہیں۔ اقراری و انکاری۔ مثلاً أَزَيْدٌ قَائِمٌ۔ کیا زید کھڑا ہے۔ جواب ہوگا نعم۔ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ط کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟ یعنی ہے۔ چنانچہ اردو میں بھی کہتے ہیں۔ کیا تم نے اس کام کو نہیں کیا یعنی کیا۔ کیا میں نے یہ کام کیا؟ یعنی نہیں کیا۔

لَمْ حرف جازم نافیہ ہے۔ شرح صدر سے مراد یہاں (ای وسعنا) ہے یعنی فراخ کر دیا ہمنے تمہارے سینے کو کشادگی بخشی ہمنے اور حوصلہ افزائی کی ہمنے وغیرہ وغیرہ۔ باقی آیات کا عطف پہلی آیت پر ہے یعنی کیا ہم نے ایسا ایسا نہیں کیا؟

بعض متصوفین شرح صدر سے علم غیب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی ثابت کرتے ہیں
حالانکہ سورۂ انعام وغیرہ میں صاف طور سے اس کی تردید موجود ہے کہ اللہ برترحاکی ہے۔ اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم محکی عنہ۔

قُل لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَیَّ ۔ (انعام)۔

اے پیغمبر ان لوگوں سے کہدے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔ اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بذریعہ وحی بھیجا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ شرح صدر ردسیئ المعنی لفظ ہے۔ چنانچہ علامہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے
ہیں کہ شرح صدر کے معنی روشن و منور کر دیا۔ رحمت و کرم والا بنا دیا۔ لقولہ تعالی۔ (فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ
(غ) یعنے جسے خدا ہدایت دینا چاہتا ہے۔ تو اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ جس طرح آپکا
سینۂ مبارک کشادہ کر دیا گیا۔ اسی طرح آپ کی شریعت مطہرہ بھی نرمی وکشادگی والی۔ نہایت آسان
بنادی۔ کہ جس میں نہ حرج و تنگی ہے۔ اور نہ تکلیف و ترشی۔ نہ سختی وغیرہ۔

تفسیر القرآن بالقرآن میں ہے کہ شرح صدر سے یہ مراد ہے کہ آپ کے سینۂ بے کینہ کو امور رسالت
و نبوت کا متحمل بنادیا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں ہے۔ (رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ
يَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ يَفْقَهُوْا قَوْلِیْ) یعنے اے رب میرا
سینہ کشادہ کر۔ اور میرا کام مجھپر آسان کر۔ اور میری زبان سے گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں

حضرت مالک بن صعصعہؓ سے مروی ہے، کہ اس سے معراج شریف کی شب کو حضور انور صلعم کا
سینہ شق کیا جانا مراد ہے۔ جسے راز خداوندی کا گنجینہ بنادیا گیا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ۔ امر نبوت میں سب سے پہلے آپ نے کیا دیکھا پس آنحضور صلعم سنبھل بیٹھے اور فرمانے لگے ابو ہریرہ ۔ میں دس سال کچھ ماہ کی عمر میں جنگل میں کھڑا تھا۔ کہ آسمان کی طرف سے یہ آواز کان میں آئی ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کیا یہ وہی ہیں ۔ پھر دو شخص میرے سامنے آئے جن کے چہرے ایسے منور تھے کہ اس سے قبل میں نے کبھی نہیں دیکھے ۔ اور ایسی خوشبوئیں مہکنے لگیں ۔ جو میں نے کبھی نہیں سونگھی تھیں ۔ اور وہ ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے جو میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے انہوں نے میرے دونوں بازو تھام لئے مگر مجھ کو یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ کوئی میرے بازو تھامے ہوئے ہے ۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ انھیں لٹا دو ۔ لہٰذا مجھے لٹا دیا ۔ پھر میرا سینہ شق کرنے کو کہا ۔ چنانچہ میرا سینہ چیر دیا ۔ لیکن اس وقت بھی مجھے نہ کچھ دُکھ ۔ درد محسوس ہوا اور نہ خون وغیرہ نظر آیا پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس میں سے غل و غش حسد و بغض سب نکال دو ۔ پس ایک خون بستہ سی چیز میرے سینہ میں سے نکالی اور پھینک دی ۔ پھر کہا کہ اس میں رحمت و رافت بھر دو اور رحم و سوم سے پُر کر دو ۔ پس ایک چاندی کی طرح چمکتی ہوئی چیز جتنی نکالی تھی پھر اتنی ہی میرے سینہ میں ڈالدی اور میرے دائیں پاؤں کا انگوٹھا ہلا کر کہا کہ جائیے اور سلامتی سے زندگی گذاریئے اب جو میں چلا تو یہ دیکھا کہ ہر کم عمر کو دیکھکر میرے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے ۔ اور بڑی عمر والے کو دیکھ کر رحمت

پھر فرمان باری عزاسمہٗ ہے ۔ (وَ وَضَعْنَا الخ) وضع کے معنی لغت میں ۔ الوضع نہادن ۔ رکھنا ۔ ترتیب دینا ۔ جننا ۔ اور بمعنی مطلق کرنا کے بھی آتے ہیں ۔ وُضِعَ مجہول بمعنی جُعِلَ ۔ بُنِیَ ۔ بھی آتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ تبلیغ کا ثقل ہم نے تم سے دفع کر دیا ۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس معنی کو بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے اور وُہی اللہ برتر آپکی اور مومنین کی مدد کرتا ہے ۔ لِقولہ تعالیٰ (ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ط (۱۰-۴) اور سورہ روم میں وارد ہے ۔ (وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ)

اور ایمان داروں کی مدد ہم پر حق ہے۔ انتہی۔

اَلْوِزْرُ کے معنی لغت میں بوجھ اور بدلے کے ہیں چنانچہ صاحب مصباح المنیر نے آیۂ کریمہ (لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی) کو تمثیلاً پیش کیا ہے (ص ۱۴۹ جلد دوم)۔

وَرَفَعْنَا الخ کا مطلب حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جہاں میرا ذکر ہوگا (وہاں پیارے رسول، تیرا ذکر بھی کیا جائے گا۔ جیسے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس کا مطلب یوں فرماتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر جمیل بلند فرما دیا۔ کوئی نمازی اور کلمہ گو ایسا نہیں ہے جو اللہ برتر کی وحدانیت۔ اور نبی اللہ کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھتا ہو۔

علامہ حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ میں آپ کا ذکر کس طرح بلند کروں۔ حضور انور روحی فداہٗ نے فرمایا اس کا پورا علم تو خدا ہی کو ہے۔ تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ رب العزت فرماتا کہ جب میں ذکر کیا جاؤں تو آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے رب سے ایک دفعہ سوال کیا۔ (لیکن اگر نہ کرتا تو اچھا تھا) کہ خدایا مجھ سے پہلے نبیوں میں سے تو نے کسی کے لئے ہوا کو مسخر فرمایا۔ کسی کے ہاتھوں مردے زندہ کرا دیئے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تم کو یتیم پاکر جگہ نہیں دی۔ اور گم کردہ پاکر ہدایت نہیں کی۔ کیا فقیر پاکر غنی نہیں بنا دیا۔ (حدیث قدسی)۔ میں نے عرض کیا بیشک بیشک اور کیا میں نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔ اور میں نے تیرا ذکر بلند نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا لَارَیْبَ۔ لَارَیْبَ۔ یہ ہر سوال کے بعد بطور تسلیم مذکور ہے۔

تفسیر القرآن میں ہے کہ تیری اس آواز کو جو تو نے مکہ اور مدینہ میں بلند کی تھی۔ ہم نے اس کو

نہایت حسن و خوبی کے ساتھ چار دانگ عالم میں پھیلا دیا۔

لقولہ تعالیٰ۔ هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۔ سورۂ توبہ

یعنے اسی اللہ نے اپنے رسول کو سچے دین اور ہدایت کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ ہر مذہب و ملت کے مقابلہ میں اس کو مثل کرے اور اس کی برتری جتا دے اگرچہ مشرک برا مانیں۔

ابونعیم رحمۃ اللہ دلائل النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب میں آسمان و زمین کے اس کام سے فارغ ہوا جو مجھکو میرے رب عز و جل نے عطا کیا تھا تو میں نے عرض کی خداوندا جتنے انبیا مجھسے اول ہوئے تو نے سب کی تکریم فرمائی کہ ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا موسیٰ علیہ السلام کو کلیم حضرت داؤد علیہ السلام کے واسطے پہاڑ مسخر فرمادیے۔ اور حضرت سلیمان کے لئے شیاطین اور ہوا کو کو تابع فرمان کردیا حضرت عیسیٰ سے مردوں کو زندہ کرایا پس مجھے کیا عطا فرمایا۔ ارشاد باری ہوا کیا میں نے تجھے ان سب سے افضل چیز نہیں دی کہ میرے ذکر کے ساتھ ہی تیرا ذکر بھی ہوتا ہے اور تیری امت کے سینوں کو میں نے ایسا کر دیا کہ وہ میرے کلام قرآن کو ظاہراً پڑھتے ہیں۔ یہ میں نے کسی اگلی امت کو نہیں عطا کیا۔ اور میں نے تجھکو اپنے عرش کے خزانوں میں سے یہ خزانہ دیا (لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم)۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اذان ہے۔ کہ پانچ وقت اللہ کے نام کے ساتھ آپ کا نام بھی لیا جاتا ہے جس کے جواب میں ہم لاحول الخ اور ما شاء اللہ لا قوۃ الخ وغیرہ پڑھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ قصیدہ۔

أَغَرُّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ   مِنَ اللّٰهِ مِنْ نُوْرٍ يَلُوْحُ وَيَشْهَدُ
وَضَمَّ الْإِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ إِلَى اسْمِهٖ   إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ
فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّ ھٰذَا مُحَمَّدٌ　　(لله در ه)

(۱) بعض محققین کی رائے ہے اگلے پچھلوں سب میں اللہ برتر نے آپ کا نام اونچا بلند کیا۔ اور تمام انبیا علیہم السلام سے روز میثاق میں عہد لیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں۔ اور اپنی اپنی امتوں پر بھی حکم کریں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ پر ایمان لائیں۔ چنانچہ انجیل میں لفظ فارقلیط آیا ہے جس کا مترادف احمد ہے ایسے ہی تورات میں حضورؐ کے آنے کی بشارت، اور پیروی کی تاکید ہے پھر آپ کی امت میں آپ کے ذکر خیر کو مشہور کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر بھی کیا کریں۔

حضرت صرصری رحمۃ اللہ نے کیا اچھی بات بیان کی ہے کہ فرضوں کی اذان صحیح نہیں ہوتی جبتک کہ آپ کا پیارا نام منہ سے ادا نہ ہو جو ہر طرح پسندیدہ ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمارے فرض و اذان اسوقت تک مقبول نہیں ہوتے۔ جبتک کہ آپ کا نام فند مکرر کی طرح دو دو بار نہ لیا جائے۔

ع　شکر حق را کہ پیشوا داریم
پیشوائے چو مصطفےؐ داریم

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کے متعلق۔ حافظ ابن جریرؒ حضرت حسنؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شادان و فرحان تشریف لائے اور تبسم کرتے ہوئے فرمایا ہرگز ایک دشواری دو نرمیوں پر غالب نہیں آسکتی اور پھر آیہ مذکور الصدر تلاوت کی (حدیث مرسل)

لہ یعنی اللہ برتر نے مہر نبوت کو اپنے پاس کا ایک نور بنا کر آپ پر چمکا دیا جو آپ کی رسالت کی گواہ ہے اور اپنے نام کے ساتھ اپنے نبی کا نام بھی ملا لیا۔ جو کہ پانچوں وقت کی نماز میں موذن اشھد ان محمدا رسول اللہ کہتا ہے اور آپ کی عزت کے اظہار کے لئے اپنے نام ہی سے آپکا نام نکالا یس دیکھو کہ وہ عرش والا تو محمود ہے یعنی اللہ۔ اور آپ محمد ہیں صلعم

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے اصحاب کو خوشخبری سنائی۔ کہ دو آسانیوں پر ایک سختی غالب نہیں آسکتی۔ از روے علم معانی وغیرہ نکتہ اسمیں یہ ہے کہ لفظ عُسر دونوں جگہ معرفہ مذکور ہے۔ لہذا وہ مفرد ہوا۔ اور لفظ یُسر۔ نکرہ ہونے سے متعدد تصور کیا گیا۔ مطلب یہ کہ دو آسانیوں کے مقابلہ میں سختی اپنی کیا ہستی رکھتی ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے۔ کہ مَعونَۃ۔ یعنی امداد خداوندی بقدر مؤنت آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ (مُونتہ کے معنی لغت میں بار بوجھ۔ گرانی محنت۔ رنج۔ توشۂ سفر۔ زادِ راہ۔ معاش۔ مایحتاج مثلاً روٹی کپڑا۔ ضروریات روزمرہ کے ہیں) اور صبر مصیبت کی مقدار پر نازل ہوتا ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

صَبرًا جَمِیلًا مَا اَقرَبَ الفَرجا　　مَنْ رَاقَبَ اللّٰہ فِی الاُمُورِ نَجا

مَنْ صَدَّقَ اللّٰہ لَمْ یَنَلْہُ اَذٰی　　وَمَنْ رَجَاہُ یَکُوْنُ حَیْثُ رَجَا [۱]

معالم التنزیل وغیرہ میں ہے۔ کہ سختی کے بعد آسانی بشرط صبر ہے۔ حدیث میں بھی ہے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ بقولہٖ علیہ السلام (اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجْ) فارسی کا مقولہ ہے ؎

صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد۔ حضرت ابوحاتم سجستانی رحمۃ اللہ نے بھی اسی مضمون کو اپنے اشعار میں ادا کیا ہے۔ اور دوسرے ایک شاعر نے بھی کیا اچھا کہا ہے۔

وَلَرُبَّ نَازِلٍ یَضِیقُ بِہٖ الفَتیٰ　　ذَرْعًا وَعِندَ اللّٰہِ مِنھَا المَخرَجُ۔

کَمُلَتْ فَلَمَّا اسْتُحکِمَتْ حَلَقَاتُھَا　　فُرِجَتْ وَکَانَ یَظُنُّھَا لَا تُفْرَجُ [۲]

---

[۱] یعنی اچھا صبر کشادگی سے بہت قریب ہے۔ اپنے کاموں میں خدا کا ہی لحاظ رکھنے والا نجات یافتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تصدیق کرنے والے کو۔ کوئی اذیت نہیں پہنچتی۔ اس سے بھلائی کی امید رکھنے والا اسے امید کے ساتھ ہی پاتا ہے۔

[۲] اور بہت سی ایسی مصیبتیں انسان پر نازل ہوتی ہیں جن کے سبب سے وہ تنگ دل ہو جاتا ہے حالانکہ اللہ کے نزدیک ان سے چھٹکارا بھی ہے پس جب یہ مصیبتیں کامل ہو جاتی ہیں اور اس زنجیر کے حلقے مضبوط ہو جاتے ہیں۔ تو انسان گمان کرنے لگتا ہے کہ بھلا اب کیا مٹے گی۔ کہ اچانک اس رحیم و کریم کی رحمت جوش میں آکر شفقت آمیز نظریں پڑتی ہیں اور وہ اس مصیبت کو ایسا دور کر دیتا ہے گویا کہ آئی ہی نہ تھی۔

اس کے بعد ارشاد باری عز اسمہ ہوتا ہے کہ پیارے رسول جب تو امور دنیوی وغیرہ سے فارغ ہو جائے تو دلی توجہ، خلوص نیت اور پوری رغبت کے ساتھ ہماری عبادت و یاد میں مشغول ہو جا۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ (فَاِذَا فَرَغْتَ الخ) کی تفسیر فرماتے ہیں کہ جب امر دنیا سے فارغ ہو کر نماز کے لئے کھڑا ہو تو نہایت محنت کے ساتھ عبادت کر اور مشغولیت کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نماز فرض سے فارغ ہو تو تہجد کی نماز کے لئے کھڑا ہو۔ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے ہوئے اپنے رب کی طرف توجہ کر۔

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز کے بعد کی دعا ہے۔

زید بن اسلم۔ وضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جہاد سے فارغ ہو کر خدا کی عبادت کر۔ اور یہی رائے صاحب تفسیر القرآن کی ہے۔ کہ جب تبلیغ اور جہاد سے فارغ ہو تو نہایت تضرع سے اپنے رب کی یاد کر جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا۔ لقولہ تعالیٰ (وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا) یعنی تو لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق جوق آتا ہوا دیکھے گا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنی نیت و رغبت ہمیشہ خدا ہی کی طرف رکھ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی طاب ثراہ نے اپنی تصنیف لطیف المسمیٰ بہ فوز الکبیر فی اصول التفسیر میں۔ پوری سورہ شریف کا کیا خوب خلاصہ فرمایا ہے۔ اَلَمْ نَشْرَحْ الخ انقض اثقل۔ فَانْصَبْ فی الدعاء اجتہد۔ شان نزول اس سورۂ شریف کی یہ ہے کہ بسا اوقات۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتقضائے بشریت بعض امور کی بناء پر۔ ملول و کبیدہ خاطر۔ اور دلگیر ہو جاتے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے لہذا رب العالمین نے رحمۃ للعالمین کی اس طرح تسلی خاطر فرمائی کہ یہ سورت نازل فرمائی۔

میکانکی اسلام

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز

سامنے میز پر گھڑی رکھی تھی شیشہ ٹوٹا ہوا اور منٹ کی سوئی غائب۔ گھنٹے کی سوئی پر میری نگاہ تھی اور میں ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھ رہا تھا مجھے اس میں کوئی حرکت محسوس نہ ہوئی لیکن میرے سامنے ہی سامنے وہ ایک دو اور دو سے تین تک پہنچ گئی۔ میں نے سوچا کہ بعض تغیرات ذہن انسانی میں بھی کچھ ایسے تدریجاً اور غیر شعوری طور پر رونما ہوتے ہیں کہ جب تک انکا مجموعی اثر ایک نمایاں انقلاب کی شکل میں ظاہر نہیں ہو جاتا یہ محسوس ہی نہیں ہونے پاتا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ عمل میں آ رہا ہے۔ ذہنی انقلاب کے یہ تخریبی اور تعمیری مراحل دریا کی پرسکون روزیوں کی طرح کچھ ایسے غیر مرئی طور پر طے پا جاتے ہیں کہ جو خطوط ابتداءً زیادہ سے زیادہ نقوش برآب کی حیثیت رکھتے تھے وہی ایک عرصے کے بعد ایک محکم حصار سنگین کی بنیادیں بن جاتے ہیں۔ ریگستانوں میں آپنے اکثر دیکھا ہوگا کہ صبح ایک صاف وہموار میدان سامنے تھا شام کو وہاں ریت کا بہت بڑا ٹیلہ کھڑا ہو گیا۔ اور خواہ آپ دن بھر وہاں بیٹھے دیکھتے رہیں کبھی معلوم نہ کر سکیں گے کہ یہ رد و بدل کس انداز سے عمل میں آ رہا ہے

مغرب کی مادیت کا ایک اثر تو وہ تھا جو آتش فشاں دھماکے کے ساتھ مشرق میں رونما ہوا جسے اندھوں نے دیکھا اور بہروں نے سنا یعنی مذہب سے تنفر وبیزاری کا اعلان ببانگ دہل کیا گیا لیکن اس سے کہیں گہرا کہیں مہیب اور کہیں زہریلا وہ اثر تھا جو گھڑی کی سوئی کی طرح ظاہر ہوا اور جسے تیز سے تیز نگاہ بھی بمشکل بھانپ سکی۔ یہ اثر ان قلوب پر مسلط ہوا جو اگرچہ سعادت ونجات کی راہ مذہب ہی میں سمجھتے تھے لیکن مغربی معقولیت کی حدود بندی نہ کر سکے اور وہ آہستہ آہستہ ان کی سرحد ایمانیات میں بھی گھس گئی۔ اور اس کا زہر ان کے معتقدات کے رگ وپے میں اس خاموشی سے سرایت کرتا چلا گیا کہ آج اگر ان کے مذہبی اصولوں کا بغور مطالعہ کیا جائے

تو معلوم ہو جائے کہ جس چیز کو وہ آج مذہب کہہ رہے ہیں اسے مذہب سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا زمین کو آسمان سے
یہ معقولیت پسندوں کی جماعت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اور ان کا مشن یہ ہے کہ مذہب کے اصول ان کی
اپنی عقل کے مطابق' یا زیادہ سے زیادہ حکمار یورپ کی عقل کے مطابق ہونے چاہئیں۔ یہاں ان کے معتقدات کا
استقصاء مقصود نہیں لیکن مجملاً یوں سمجھئے کہ:۔

۱۔ خدا ان کے نزدیک ایک ایسی قوت کا نام ہے جو کائنات کے اولین سامانات کی تخلیق کی موجب ہوئی
اس کے بعد مخلوقات عالم نے اپنے ارتقائی نشو و نما کی منازل طے کر کے اتفاقیہ ایک مستقل نظام کی صورت اختیار
کر لی جو ایک غیر متبدل اور اٹل قانون کی شکل میں خود بخود چل رہا ہے۔ اور خدا ایک عضو معطل کی طرح الگ بیٹھا
اس کا تماشا دیکھ رہا ہے۔ اس کارگہ حیات میں نہ اس کا کچھ فعل ہے نہ ارادہ۔ دنیا چونکہ عالم اسباب ہے۔
اس لئے اگر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اس کامیابی کو اپنی قوت بازو اور حسن تدبیر کی
رہین منت سمجھتے ہیں۔ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ (۲۹: ۵) اور اگر کہیں ناکامی ہوتی ہے تو علت و
معلول کی کڑیوں کا معائنہ شروع ہو جاتا ہے، اور اگر کبھی وہ ڈور کچھ ایسی الجھی ہو کہ سرا نہ ملے تو بجائے علت
اصلی کی طرف نگاہ جانے کے اس ناشدنی واقعہ کو "اتفاق" کے مجہول الکیف نام سے معنون کر دیتے ہیں غرضیکہ
زندگی کے کسی شعبہ میں، کاروبار حیات کے کسی گوشہ میں انہیں خدائی ہاتھ کارفرما نظر نہیں آتا۔ اور اگرچہ
ہر روز ایاک نستعین سے اس کا زبانی اقرار کرتے ہیں لیکن عملاً نہ وہ خدا کی مدد پر بھروسہ رکھتے ہیں نہ
کسی کام میں اس کی طرف سے خیر و برکت پر ان کا ایمان ہوتا ہے۔

۲۔ رسول کا تصور ان کے نزدیک ایک سیاسی لیڈر، ایک مصلح قوم کا سا ہوتا ہے جو اپنی قوم کی نکبت و
زبوں حالی سے متاثر ہو کر انہیں فلاح و بہبود کی طرف بلاتا ہے۔ اپنی تدبیر و مصلحت اندیشی سے وہ قوم کی بکھری
ہوئی قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے ان کی تلواروں کے رخ جو اس سے قبل ان کے اپنے قبائل کی سمت ہوتے تھے
دشمنوں کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کے اندر انضباط و ایثار کی روح پھونک کر زمین کے

بہترین خلقوں کا انہیں مالک بنا دیتا ہے۔ اس کی حقیقت قوم کے ایک امیر کی سی ہوتی ہے۔ جس کے ہر حکم کا اتباع اس لئے لازمی ہوتا ہے کہ انحراف سے قوم کی اجتماعی قوت میں انتشار پیدا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور وہ دنیاوی نعمتیں جو اس کے حسن تدبیر سے حاصل ہوئی تھیں ان کے چھن جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ اس کا حسن تدبر عقل و حکمت، ذہن انسانی کے ارتقا کی بہترین کڑی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے ماحول کا بہترین مفکر شمار کیا جاتا ہے۔ کثرت ریاضت سے برائی کی قوتیں اس سے سلب ہو جاتی ہیں۔ اور نیکی کی قوتیں نمایاں طور پر ابھر آتی ہیں۔ انہی قوتوں کا نام ان کے نزدیک ابلیس اور ملائکہ ہے۔

۳۔ قرآن کو وہ ایک بہترین کتاب سمجھتے ہیں صرف اس حیثیت سے کہ اس میں دنیاوی معاشرت کے بہترین اصول مندرج ہیں جس پر کاربند ہو کر مسلمان غلبہ و استیلا کی زندگی بسر کر سکتے ہیں لیکن ایمان کے اس حصہ کے باوصف وہ دنیا کی ہر نئی تحریک کی طرف بڑی بے تابی سے لپکتے ہیں، اور ہر نئی "ایت" اور ہر نئی "ازم" میں اپنی مصیبتوں کا علاج تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اور چونکہ ان کے نزدیک قرآن کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ وہ مغربی حکماء کے نظریوں کی تائید کرتا چلا جائے اس لئے ان کی تمام تر کوشش اسی "جہاد" میں صرف ہو جاتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح قرآن کو ہر نئی تحریک کے مطابق ثابت کر دیا جائے۔ اگر طبیعت میں کہیں ادبی ذوق ہوا تو وہ قرآنی فصاحت و بلاغت کا موازنہ دنیائے شاعری کی کتابوں سے کرنے لگ جاتے ہیں۔ غرض کہ قرآن کو وہ اسی ماحول کی پیداوار اور اسی زمین کی شاعری سمجھتے ہیں۔

۴۔ مکافات عمل پر ان کا ایمان ہے لیکن اس شکل میں کہ وہ اسی دنیا کو دارالعمل اور اسی کو دارالجزا سمجھتے ہیں۔ جنت و دوزخ کا وجود ان کے نزدیک خود قلب انسانی کے اندر ہی ہے۔ دل کے سکون و طمانیت کا نام جنت۔ اور اس کے اضطراب کی سوزش پنہاں کا مفہوم جہنم۔ معاد بھی ان کے نزدیک اپنی قلبی کیفیات کا نام ہے اور حشر سے مقصد ان حیات کا تیز تر ہو جانا ہے۔

لہ معیار کی یہی غلطی تھی جس کی وجہ سے مصر کے مشہور آزاد خیال مسلم ادیب کی نظر میں ?? کی کتاب "ساد النفر" ?? بڑی معلوم ہوئی پرویز

۵۔ ایمانیات کے بعد اعمال و عبادات میں بھی ان کے نظریے کچھ ایسے ہی مصالح پر مبنی ہیں۔ نماز ایک اچھی عبادت ہے لیکن محض اس لئے کہ اس سے پابندی اوقات اور صفائی جسم کی عادت پڑجاتی ہے باقی رہا خدا کے ساتھ تعلق سو اس کے لئے ان کے نزدیک کسی مخصوص شکل کی ضرورت نہیں۔ دنیاوی مشاغل۔ دفتر کی فائلوں سے تھک کر کرسی سے جھک کے میز پر سر رکھدیا۔ آنکھیں بند کرلیں اور بس دل خدا تک پہنچ گیا۔ نماز باجماعت۔ جمعہ۔ عیدین۔ میں صرف ایک اجتماعی منظر دکھلانا مقصود ہے۔ اور حج ان کے نزدیک ایک "آل ورلڈ مسلم کانفرنس" (مؤتمر عالم اسلام) سے زیادہ نہیں۔ زکوٰۃ کی جگہ قومی چندے بہترین نتائج پیدا کرسکتے ہیں۔ روزے سے مقصود طبیعت کو "سپاہیانہ عادت" کا خوگر بنانا (یا گھڑ دوڑ کے اشہب عناں گسیختہ کی صیامت) تھا۔ قربانی کی بے فائدہ خونریزی ان کے نزدیک کسی اور شکل میں تبدیل ہوکر بہترین افادی نتائج پیدا کرسکتی ہے۔ اور تو اور۔ جہاد۔ جو درحقیقت اسلام کا ذروۂ سنام ہے ان کے نزدیک محض تگ و دو حیات میں سعی و کوشش کا نام ہے۔ اور آج کل کونسلوں میں چند نشستیں مخصوص کرالینا اس فریضہ عظیم کی سرانجام دہی کی بہترین صورت ہے۔

ایک جملہ میں یوں سمجھئے کہ مذہب ان کے نزدیک اسی زمین سے متعلق ہے اور "آسمان" سے کچھ علاقہ نہیں۔ یہ "میکانکی اسلام" روح اور روحانیت سے اتنا ہی ناآشنا ہے جتنی یورپ کی مشینیں جذبات سے عاری۔

(۰)

آئیے اب ان معتقدات کو قرآن کی روشنی میں دیکھیں۔

۱۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ "کارگہ عالم" ایک خاص نظام کے ماتحت چل رہا ہے جسے قانون فطرت کہتے ہیں اور جو بالعموم غیر متبدل اور اٹل ہوتا ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (۳۵: ۵)

اور تو اللہ کے دستور کو بدلتا ہوا اور ٹلتا ہوا نہیں پائے گا۔

لیکن یہ قوانین و نظام خود بخود اتفاقیہ طور پر وجود میں نہیں آگئے۔ بلکہ ایک حکیم ازلی کے ارادہ و مشیت کے ماتحت وضع ہوئے ہیں، جو ان قوانین کے نافذ کرنے کے بعد خود بے بس و مجبور ہو کر نہیں رہ گیا۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۔ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ (۳ : ۶) اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے، اور جو چاہتا ہے ثبت کرتا ہے۔ اس کے پاس ام الکتب ہے۔

کون و مکان کے ایک ایک ذرہ میں اس کی مشیت و قدرت کار فرما ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (۱۱ : ۹) بیشک تیرا پروردگار جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (۵ : ۱) حکم کرتا ہے۔

ہر چند کہ یہ مشیت بھی اس کی حکمت و قانون پر مبنی ہے جس کو قوانین قدرت کہتے ہیں لیکن ان قوانین کی کنہ و حقیقت ذہن انسانی کی دست رس سے باہر ہے۔ دنیا کا کوئی دماغ یہ نہیں بتا سکتا کہ شہد میٹھا اور حنظل تلخ کیوں ہے؟ دنیا کو یہ نظام اُسی نے عطا فرمایا ہے اور اس نظام میں تمام امور اُسی کے حکم و ارادہ سے سرانجام پاتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۶۵ : ۲) وہ اللہ ہی ہے جس نے سات بلندیاں اور ان کی مثل پستیاں پیدا کیں ان سب میں اس کا حکم اترتا رہتا ہے تاکہ تم یقین کر لو کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس میں بھی کلام نہیں کہ حصول مقاصد کے لئے جد و جہد انسان کے لئے لازم ہے۔ لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (۵۳ : ۳) اور اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضایع نہیں کرتا۔ بشرطیکہ نیت بخیر ہو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ انسانی مساعی و محنت کا نتیجہ بھی اسی شکل۔ اسی نوعیت۔ اُسی عرصہ اور مقدار میں مرتب ہو جو خود انسان نے اپنے ذہن میں مقرر کر رکھا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ دنیا میں ہر شخص بالعموم یہ سمجھتا ہے کہ وہ خود اپنی ذات میں ایک فرد مکمل اور آزاد

Independent Unit ہے۔ لہذا امور عالم کا تعین اس کی آرزوؤں کے مطابق ہونا چاہیئے اور اس کے اعمال وافعال کا اثر بھی اس کی ذات تک محدود رہنا چاہیئے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر فرد واحد اس کارخانہ عالم میں عظیم الشان مشنری کا ایک ادنیٰ سا پرزہ ہے جس کی ایک ایک جنبش کا اثر تمام مشنری اور تمام مشنری کی حرکات کا اثر اس پرزہ پر پڑتا ہے اور یہ تمام سلسلہ ایک مشیت کے ماتحت کسی خاص مقصد کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اس لئے اگر ہر انسان کی دنیا اس کی آرزوؤں کے مطابق ڈھل جائے تو نظم ونسق عالم چند دنوں میں تہ و بالا ہو جائے۔ کبھی غور فرمایا کہ آج دنیا میں اس قدر اضطراب و بے تابی یہ عدم طمانیت وفقدان سکون کیوں ہے؟ کیا محض اس لئے نہیں کہ ہر شخص اپنا مقصد حیات خود متعین کئے بیٹھا ہے اور چاہتا ہے کہ کھینچ تان کر دنیا اس کی اپنی تمناؤں کا گہوارہ بن جائے

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (۲۸:۵۰) اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بغیر محض اپنی خواہشات کی پیروی کرے۔

ثانیاً انسان کو چونکہ مستقبل کا علم نہیں دیا گیا۔ اس لئے یہ ضرور نہیں کہ جس چیز کو وہ اپنے لئے بہتر تصور کرتا ہے وہ فی الواقع اس کے لئے بہتر ہی ثابت ہو۔ اس کا صحیح صحیح علم علام الغیوب کے پاس ہے۔ کیونکہ۔

عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۲:۲۱۶) یہ ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو لیکن وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور تم ایک چیز پسند کرتے ہو لیکن وہ تمہارے لئے بُری ثابت ہو اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

لہذا قوانین فطرت کے دائرے کے اندر کوشش اور جد وجہد یقیناً فرض ہے لیکن اس کوشش کے بعد ترتیب نتائج کے لئے مشیت ایزدی پر ایمان رکھنا بھی لازمی ہے۔ کامیابی وناکامی میں سلسلہ علت و

معلول کا تجزیہ بھی ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ آخری نگاہ۔ اس علت العلل۔ اس مسبب الاسباب ذات پر رکھنی بھی ضروری ہے جس نے علت کو علت اور معلول کو معلول بنایا۔ اس لئے کہ علت و معلول کی حقیقت بھی انسان کو اس سے زیادہ کیا معلوم ہے کہ۔ بقول امام غزالیؒ ایک دوسرے کے بعد آتا ہے۔ بہترین اسباب و وسائل بہترین قوتیں اور اپنی سمجھ کے مطابق بہترین ذرائع بہم پہونچانے ضروری ہیں۔ لیکن ان سب کے بعد یہ ایمان بھی ضروری ہے کہ۔

اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ۔ (۴۰:۵) میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں کا نگران ہے۔

۲۔ رسول بلاشبہ مصلح اور مدبر ملت ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت دنیاوی مصلحین و مدبرین سے بالکل جدا گانہ ہوتی ہے۔ دنیاوی مفکرین و مدبرین اپنے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اور ان کا فلسفۂ اصلاح و بہبود ان کی اپنی پرواز فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوتا ہے۔ برعکس اس کے انبیاء کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں اور ان کا سلسلہ اس دنیا میں خاص مشیت باری تعالیٰ کے ماتحت چلتا ہے۔ وہ نہ اپنے ماحول سے متاثر اور نہ احوال و ظروف کے پیداوار ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کا انتخاب ملکوتِ ایزدی سے ہوتا ہے۔

اَللّٰہُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (۶:۱۰) اللہ خوب جانتا ہے کہ کسے اپنی رسالت کے لئے منتخب کیا جائے اور ان کا سرچشمۂ علوم و ہدایت علم باری تعالیٰ ہوتا ہے جس میں کسی سہو و خطا کی گنجائش نہیں ان کا سینہ علوم لدنی سے معمور اور ان کا قلب تجلیات نور ازلی سے منور ہوتا ہے۔ دنیاوی سیاست و تفکر ایک صنعت ہے جو اکتساباً حاصل ہوتی ہے، اور مشق و مہارت سے یہ ملکہ بڑھتا ہے لیکن نبوت ایک موہبت ربانی اور عطائے یزدانی ہے جس میں کسب و مشق کو کچھ دخل نہیں۔ قوم و امت کی ترقی ان کے بھی پیش نظر ہوتی ہے۔ لیکن سب سے مقدم اخلاق انسانی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے حقیقت یہ کہ

ان کی تعلیم و تمیل کا انداز ہی کچھ ایسا نرالا ہوتا ہے کہ تزکیہ نفوس و قلوب کے ساتھ ساتھ ذہن میں جلا اور بازو میں قوت بھی پیدا ہوتی ہے اور اس سے ایک ایسی قوم کی تشکیل عمل میں آتی ہے جس کے دائیں ہاتھ میں آسمان کی بادشاہت اور بائیں میں زمین کی مملکت ہوتی ہے۔ اس کا پیغام زمان و مکان کی قیود سے بالا ہوتا ہے۔ وہ تمام انسانوں کو راستہ دکھانے والا۔ اور قیامت تک کے لئے مطاع ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا... وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ (۶۲:۱) وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو آیتیں سناتا ہے ان کا تزکیہ نفوس کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ اور ان لوگوں کی طرف بھی جو ابھی تک ان میں نہیں ملے۔

اس کی اطاعت عین خدا کی اطاعت اور اس کی معصیت خدا کی معصیت ہوتی ہے۔

وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (۴:۱۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی

اور جو لائحہ حیات اس کی وساطت سے دنیا کو ملتا ہے۔ اس میں کوئی دنیاوی طاقت رد و بدل نہیں کر سکتی بلکہ دنیا بھر کی عقول میں جہاں کہیں اختلاف ہو اس کا فیصلہ بھی اسی کی مشعل ہدایت سے ہو سکتا ہے۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (۴:۸) اگر کسی بات میں تم میں اختلاف ہو جائے اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔

ان کو خدائی پیغام ملائکہ کی وساطت سے ملتے ہیں۔ جو اگرچہ عالم امر سے متعلق ہونے کی وجہ سے حد ادراک انسانی سے بالاتر ہیں لیکن ان کا وجود محض انسان کی ملکوتی قوتیں نہیں ہیں۔

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (۱۶:۱) وہ فرشتوں کو اپنے حکم سے وحی دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے۔

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَ اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے (جسے چاہتا ہے)

مِنَ النَّاسِ (۲۲:۷۵) بطور رقاصد چن لیا ہے۔

اسی طرح سے ابلیس بھی محض طاغوتی۔ قوتوں کا نام نہیں۔ بلکہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہے۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۔ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (۳۸:۷۶)۔ ابلیس نے کہا کہ میں اس (آدم) سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔

۳۔ بلاشائبہ تشکیک قرآن ایک کتاب آئین ہے جس کے اصولوں پر کاربند ہو کر ایک قوم اعلیٰ کی زندگی بسر کر سکتی ہے لیکن اس کی تعلیم کا مقصد وحید محض دنیوی غلبہ و استیلا ہی نہیں بلکہ یہ تو محض فرعی اثمار (Bye-Products) ہیں۔ اس کی اصل تو انسان کو ان مقاصد عالیہ کے حصول کا راستہ دکھاتا ہے جو تخلیق آدم کی اصلی غایت ہیں۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (۱۷:۹) بیشک یہ قرآن وہی راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔

قرآنی تعلیم کی رو سے انسان محض اسی دنیا کا جانور نہیں ہے۔ کہ یہاں کی آرائش و زیبائش ہی اس کی اصل زندگی اور مقصد حیات قرار پا جائے بلکہ دنیا تو اس کی منازل حیات کا ایک دھندلا سا تصور اور اس کے شجر زندگی کی ایک تخمی سی شکل ہے۔ تخم میں شجر کا محض ایک تخیل سا نظر آتا ہے بار آوری کی صلاحیت اس میں نہیں ہوتی یہی تخم ایمان و عمل کی آبیاری سے آیندہ زندگی میں شجر کی صورت اختیار کرے گا۔ اسلام نے ایمان و عمل صالح کے نتائج میں سے دو چیزیں قرار دی ہیں۔ ایک تو یہ کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ (۲۴:۵۵) اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کئے انہیں وہ زمین میں خلافت عطا فرمائیگا

دوسرے یہ کہ:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے اللہ نے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۵ : ۲) وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

باوصف اس امر کے کہ اس دنیا میں عزت و وقار غلبہ و استیلار کی زندگی کا وعدہ ایمان و عمل صالح سے مشروط کر رکھا ہے۔ قرآن بار بار اس امر پر زور دیتا ہے کہ کہیں مقصود بالذات اس دنیا کی زندگی کو قرار نہ دے دینا۔ اس نے کھلے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ دنیا کی یہ زندگی تو ایک کھیل تماشے سے زیادہ نہیں
وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (۲۹ : ۷) فی الحقیقت زندگی کی جگہ تو آخرت ہے۔ [۱]

ہاں تو قرآن۔ انسان کو اس زندگی کے لئے تیار کرتا ہے۔ جو زندگی کہلانے کی مستحق ہے۔

اس کے اصول ایسے اٹل اور اس کی بنیادیں ایسی محکم ہیں کہ دنیا کے نظریئے بنیں اور بگڑیں انکشافات پیدا ہوں اور مٹ جائیں لیکن اس کے حقائق روشنی کے مینار کی طرح مستحکم کھڑے ہیں کہ انقلابات ذہنی کی موجیں اٹھیں اور ٹکر کر معدوم ہو جائیں

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ (۱۱ : ۱) ایک کتاب جس کی آیتیں پختہ بنائی گئی ہیں۔

قرآن کے لئے یہ بات ذرا بھی قابل فخر نہیں کہ دنیا کی کوئی "ازم" اور کوئی "ایت" اس کی تعلیم کے مطابق ثابت ہو رہی ہے۔ کیونکہ

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۔ (۶۹ : ۲) وہ تو حق الیقین ہے۔

بلکہ یہ بات خود اس "ازم" اور "ایت" کے لئے طرۂ امتیاز ہو گی کہ بارگاہ قرآنی سے اس کے

---

[۱] اگرچہ قرآن حکیم میں حیات انسانی کے منتہی کی نسبت کھلے کھلے الفاظ میں صراحت نہیں کی گئی لیکن بعض اشارات سے یہ حقیقت [illegible] کہ جنت بھی جو بالعموم منزل مقصود سمجھی جاتی ہے۔ درحقیقت [illegible] منزل مقصود نہیں [illegible] راستہ کا ایک خوشنما منظر ہے چنانچہ [illegible] کے متعلق ارشاد ہے۔ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ (۲۲ : ۳) اور جنتیوں کو پاکیزہ قول کی ہدایت کی جائیگی اور صراط حمید کی راہ دکھائی جائے گی۔ پھر ان کی یہ دعا قرآن میں موجود ہے:۔
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (۶۶ : ۲) کہیں گے اے اللہ ہمارے نور کی تکمیل کر دے۔
پھر منتہی کیا ہے؟۔ یہ راز۔ راز ہی رہے تو اچھا ہے۔ غم دل نگفتہ بہتر ہمہ کس جگر ندارد۔ بہرکیف اسی دنیا کو منتہی قرار دے لینا تو بڑی تنگ ظرفی ہے۔ پرویز

حق میں تائید ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ یہ

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ (۲:۲۴) — جملہ انسانوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل میں فرق کرنے کی دلیلیں ہیں۔

دنیاوی اصول خاص خاص قوموں کے لئے اور ان کے بھی خاص خاص حالات کو پیش نظر رکھکر وضع کئے جاتے ہیں لیکن قرآنی اصول قیامت تک کے لئے نافذ العمل اور دنیا بھر کے انسانوں کے لئے شمع ہدایت ہیں

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (۸۱) — یقیناً یہ تمام اہل عالم کے لئے ہدایت ہے۔

۴۔ہاں یہ بھی درست ہے کہ بعض اعمال کی سزا یا جزا اس دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔

لَمَّا اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۔ (۱۰:۱۰) — جب یہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیوی زندگی میں رسوائی کا عذاب ان سے دور کر دیا اور انھیں کچھ مدت کے لئے سامان حیات دیدیا۔

لیکن اصل دار المکافات اخروی زندگی ہی ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (۹۷-۱۶) — صاحب ایمان مرد و عورت میں سے جو کوئی بھی عمل صالح کرے گا اسے ہم (اس دنیا میں) حیات خوشگوار عطا فرمائیں گے۔ اور ان کے ان بہترین اعمال کا اجر (اخروی دنیا میں بھی) دیں گے۔

اس سے بھی واضح تر یہ ارشاد ہے:۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ (۱۳:۵) — کفار کے لئے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا تمام تر عمل اور ابتلاء کا مقام ہے تخم ریزی اور بار آوری میں جو لازمی وقفہ چاہیئے

وہ پورا کرنے کے لئے ایک وقت معین تک مہلت دی جاتی ہے۔ اور حقیقی بار آوری کا وقت حیات اخروی ہی ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلٰى أَجَلٍ مُسَمًّى۔ (۱۶: ۸)

اگر اللہ انسانوں کو ان کے ظلم کے بدلے میں فوراً گرفتار کرلیتا۔ تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہتا لیکن وہ ان کو مہلت دیتا ہے ایک وقت معین تک [1]

یہ بھی صحیح ہے کہ اطمینان قلب بڑی چیز ہے اور نعماء جنت میں سب سے بڑی نعمت نَفْسِ مُطْمَئِنَّہ ہے نیز اضطراب قلبی بھی ایک سخت عذاب ہے لیکن جنت دوزخ اور معاد کی تمام تفصیلات کو جو قرآن میں مذکور ہیں محض قلب انسانی کے اندر محیط کر دینا بھی درست نہیں۔ دوسری زندگی کے متعلق قرآن میں بڑی تکرار واعادہ سے ذکر کیا گیا ہے۔ احیاء بعد الموت کے متعلق ارشاد ہے۔

كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (۲: ۲)

تم مردہ تھے پھر تمہیں اللہ نے زندہ کیا۔ پھر وہ تمہیں مار یگا پھر زندہ کریگا۔

یہ پیدائش کیسی ہوگی؟ ارشاد ہے:۔

كَمَا خَلَقْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ (۲۱: ۷)

جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا اسیطرح دوبارہ بھی پیدا کریں گے

اس میں شبہ نہیں کہ نعمائے جنت اور عقوبات جہنم کی تفاصیل تمثیلی رنگ میں بیان ہوئی ہیں کیونکہ یہ ما بعد الطبیعات سے متعلق ہیں لیکن اس تمام تفصیل کے ایک ایک جزء پر ہمارا ایمان اسی طرح ہونا چاہئے جس طرح قرآن میں ان کا ذکر موجود ہے۔ اور جس حقیقت کا راز خود اللہ تعالیٰ نے نہیں کھولا اس پر تاویلات سے قطعیت کا حکم نہیں لگانا چاہئے۔ قرآن کہتا ہے اور کس قدر زوردار الفاظ میں کہتا ہے کہ۔

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ (۵۱: ۱)

آسمان وزمین کے پروردگار کی قسم قرآن میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ ایسا ہی حقیقی واقعہ ہے جیسا تمہارا باتیں کرنا واقعہ ہے

---

[1] اور یہ وقت معین ہے روز محشر کا۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ۔ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ (۴۰: ۲)

آج کے دن (یوم محشر) ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا آج کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

۵۔ یہ بھی درست ہے کہ عبادات میں بدنی اور معاشرتی مفاد بھی ساتھ ہی ساتھ آجاتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں کہ ان عبادات سے مقصود بالذات یہی بدنی و معاشرتی مفاد ہیں۔ انسان کے ساتھ مختلف تعلقات وابستہ ہیں۔ ایک خالق کا۔ ایک اپنے نفس کا اور ایک مخلوق کا۔ اسلامی احکام میں یہ خصوصیت رکھی گئی ہے کہ ان کی بجاآوری میں بیک وقت ہر سہ فرائض کی ادائگی ہو جاتی ہے۔ یعنی رضائے مولیٰ حفظ نفس اور ہمدردی خلائق کا حصول ایک ہی عبادت کی سرانجام دہی میں ہو جاتا ہے اور یہی ہم آہنگی ہے جو اسلامی احکام کے سوا اور کہیں نظر نہ آئے گی ان میں مقدم خوشنودی باری تعالیٰ ہے اور یہی چیز ہے جسے تقویٰ کے جامع لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی بغیر کسی قسم کی ذاتی غرض و منفعت کو پیش نظر رکھنے کے محض اس خلوص نیت سے کہ جو کچھ کر رہا ہوں محض خدا کے کر رہا ہوں عمل کرنا روح اسلام اور تقویٰ کا مدعا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ کہدے کہ میری نماز۔ میری قربانیاں۔ میری زندگی میری موت سب اللہ کیلئے ہے۔

یہ ہے نقطہ اساسکہ تمام عبادات و اعمال اسلامی کا۔ اگر کوئی عمل اس معیار پر پورا اترتا ہے تو اس کے لازمی نتائج و اثمار خواہ اپنی ذات کے لئے ہوں خواہ مخلوق کیلئے سب حلال و طیب لیکن اگر اس کے خلاف ہو تو وہ عمل لاکھ منافع در آغوش کیوں نہ ہو سب حرام و خبیث۔ نماز کے متعلق یہ کہدیا کہ۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ نماز فواحش اور برائیوں سے روکتی ہے۔

لیکن اس مرکز کو سامنے سے نہیں ہٹنے دیا کہ۔

اِنَّهَا لَكَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ بیشک نماز گراں گزرتی ہے لیکن ان لوگوں پر نہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں

روزہ فرض کرتے وقت اول و آخر یہ ارشاد فرمایا کہ۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

زکوٰۃ کی دنیاوی منفعتوں سے کسے انکار ہے لیکن علت غائی وہی ہے کہ۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا۔ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو اور اس طرح ان کے اموال و قلوب کو مطہر و پاکیزہ بنا دو۔

اور ساتھ ہی یہ تحدید بھی ہے کہ

وَالَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ (٤:٦) اور اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے مال کو محض دکھاوے کی خاطر خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے

گویا ریاء اور کفر مترادف ہیں ۔

حج اور قربانی میں بھی یہی علت کارفرما ہے کہ یہ دونوں شعائر اللہ کو قائم رکھنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ خیال کہ چونکہ مقصود ان عبادات سے دُنیوی منافع ہیں اس لئے یہ مقاصد کسی اور شکل میں حاصل کر لئے جائیں یکسر غلط اور گمراہ کن ہے مقصد اولیٰ ان سے تقویٰ اور مرضات اللہ ہے اور یہ محض اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جو خدا اور اس کے رسول نے متعین فرما دی ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا ردو بدل قطعاً ناقص ہے۔

قوم کی اقتصادی و معاشرتی اصلاح اور سیاسی و تمدنی زندگی کے بقا کے لئے جو قدم بھی اٹھایا جائے لائق صد تحسین ہے۔ اس لئے کہ ذلت اور رسوائی کی زندگی قرآن کی رو سے غضب الٰہی کی نشانی ہے

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ۔ ان پر ذلت و مسکینی کی مار ماری گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آگئے

اور عزت و وقار کی زندگی بسر کرنا عین امتیاز ایمان ہے۔

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (٦٣:٨) عزت تو بس اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے لئے ہے

یہی نہیں بلکہ ایمان و عمل صالح کا لازمی نتیجہ خلافت فی الارض ہے لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے محض دنیا کے کسی مقصد کا حصول ۔ خواہ وہ کتنا ہی جلیل المنزلت کیوں نہ ہو۔ مسلمان کی مساعی و توجہ کا

آخری نقطہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا مقصد تو دنیاوی عروج کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا حصول بھی ہے۔ لہٰذا جس پروگرام میں محض دنیا ہی دنیا ہو اور تقویٰ اور تزکیۂ قلوب کا خیال نہ رکھا گیا ہو وہ خدا کے یہاں مقبول نہیں ہو سکتا۔ اسی تقویٰ کے لئے بے غرض قربانی۔ ایثار لمرضات اللہ کا نام جہاد ہے۔ خواہ اس کے لئے ایک قدم اٹھانا پڑے یا جان تک بھی دینی پڑے۔ حکایت دراز تر ہوگئی اس لئے ان اسباب و ذرایع کی تفصیل کو نظر انداز کرتا ہوں جو اس تجدد و مذہب کے موجب ہوتے ہیں لیکن ان میں سے ایک اہم ترین سبب کا ذکر نہایت ضروری ہے اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دورِ جدید کی اسلامی معلومات کا ماخذ قرآن و سنت نہیں بلکہ مستشرقین مغرب کی تصانیف ہیں اور یہی سب سے بڑی وجہ اس ذہنی انقلاب کی ہے ان مستشرقین کے علمی احسانات اسلام پر خواہ کسی قدر کیوں نہ ہوں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یا تو شاید اس لئے کہ وہ خود اس علم تک نہیں پہنچ سکے، یا دانستہ، بہر کیف وہ اسلام کے متعلق جو کچھ بھی لکھتے ہیں اس زاویہ نگاہ سے لکھتے ہیں کہ اسلام کو ایک کامیاب "ارضی تحریک" ثابت کر دیا جائے۔ وہ یورپین مصنف جنہوں نے حضور نبی اکرم صلعم کی ذات گرامی کے متعلق حسن عقیدت کا اظہار کیا ہے ان کے خیالات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل جائے گی کہ انہوں نے بھی حضور صلعم کو زیادہ سے زیادہ ایک دنیاوی مصلح۔ کامیاب لیڈر۔ اور اولوالعزم فاتح کی حیثیت سے سمجھا ہے یا پیش کیا ہے یہی حال قرآن کے متعلق ان کے خیالات کا ہے۔ ایک تو ہم ویسے ہی ان مستشرقین کی تحقیقات علمی سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ پھر ان کا انداز بیان کچھ ایسا ساحرانہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ان کی تعلیم ہم پر پورا پورا اثر کر دیتی ہے اور ہم اسلام کو انہیں کی عینک سے دیکھنے لگ جاتے ہیں[1]۔ ایمانیات کا صحیح ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر ایک مسلم کی دینی و دنیوی عمارتیں استوار ہوں گی۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ ہم خالی الذہن ہو کر مذہب کا مطالعہ کتاب اللہ اور اسوۂ رسول اللہ کی روشنی میں کریں اس سے یہ حقیقت منکشف ہو جائیگی کہ اسلام کے پیش نظر جہاں "کلیسا کے راہب" پیدا کرنا نہیں وہاں محض سکندر اعظم بھی اس کا مطمح نگاہ نہیں۔ وہ ان دونوں کے امتزاج سے "عمر فاروق" کا ہیولیٰ تیار کرتا ہے۔ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ

---

[1] ان محققین کی ریسرچ محض قیاسیات پر مبنی ہوتی ہے جس کے اتباع کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے کہ۔

وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۔ (۶:۴)

اگر تو دنیا کے اکثر لوگوں کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔ وہ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور محض تخمینے دوڑاتے ہیں۔

اور قرآن کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ۔

اِنَّہٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ ۔ (۶۹:۲) یقیناً وہ حق الیقین ہے۔ (ظن و قیاس نہیں) پرویز۔

قرآن اور حدیث

منکرین حدیث کے مسلک پر ایک ناقدانہ نظر

(۳)

منکرین حدیث کے مقالات پر نظر کرتے ہوئے، انکار حدیث کے دو وجوہ قرار دیے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام کے نظام دینی میں سرے سے حدیث کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ صرف قرآن کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ احادیث ناقابل اعتبار ہیں۔

ان میں سے پہلی وجہ کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔ رہی دوسری وجہ، تو اس کی غلطی بھی اشارۃً گذشتہ صحبت میں ظاہر کی جا چکی ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اس شبہ کو بھی تفصیل کے ساتھ رفع کر دیا جائے۔

احادیث کو ناقابل اعتبار سمجھنے کی اصل وجہ وہم اور شک کا حد سے زیادہ بڑھ جانا ہے۔ انسان کی فطرت میں شک کا مادہ اسلئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ بحث و تحقیق اور تلاش و تجسس کے لئے محرک ہو، اور حقیقت کی جستجو پر انسان کو ابھارے لیکن ہر چیز کے لئے ایک حد ہوتی ہے، جس سے گھٹنے یا بڑھ جانے پر وہ مستحسن نہیں رہتی۔ شک کا مادہ اگر اتنا کم ہو جائے کہ آدمی ہر چیز کو بلا تحقیق تسلیم کرلے، تو یہ ضعیف الاعتقادی ہے جو ایک مذموم صفت ہے۔ اسی طرح شک اگر اتنا بڑھ جائے کہ تحقیق کے ان طریقوں سے جو انسان کے امکان میں ہیں اس کو مطمئن نہ ہونے دے، اور ان تمام باتوں سے انکار پر آمادہ کر دے جو تحقیق کے ایک غیر ممکن الحصول معیار پر پوری نہ اترتی ہوں، تو یہ بھی ایک مذموم صفت ہے جس کو اردو زبان میں "وہمی پن" سے تعبیر کرتے ہیں۔ غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ انسان اکثر و بیشتر معاملات میں صرف اس تحقیق پر اعتماد کرنے کے لئے مجبور ہے جس سے صرف ظن غالب حاصل ہوتا ہے۔ اگر وہ اس تحقیق میں شک کرے، اور علم یقین کے بغیر بات کو

ماننے سے انکار کر دے، تو وہ دنیا کے کام کا نہ رہیگا بلکہ شاید زندہ بھی نہ رہ سکے گا۔ مثال کے طور پر میں نے آج تک کبھی کسی شخص کو سانپ کے کاٹنے سے مرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ نہ خود مجھے سانپ نے کاٹا کہ اس کے مہلک ہونے کا مجھ کو علم یقین حاصل ہوتا۔ میں نے صرف لوگوں سے یہ سنا ہے کہ جب سانپ کاٹتا ہے تو انسان مرجاتا ہے۔ میں اس روایت پر یقین رکھتا ہوں، اور سانپ کو دیکھ کر اس سے بچ جاتا ہوں۔ لیکن اگر میں اس روایت میں شک کروں، اور کہوں کہ جب تک سانپ میرے سامنے کسی کو نہ کاٹے اور اسی کی تاثیر سے وہ میرے سامنے مر نہ جائے، یا جب تک سانپ خود مجھ کو نہ کاٹے اور میں اس کے زہر سے نہ مر جاؤں، اس وقت تک میں یقین نہ کروں گا کہ سانپ مہلک ہوتا ہے، تو میرے اس شک کا جو کچھ انجام ہوگا وہ ظاہر ہے۔

یہ تو خیر روایت متواترہ کی مثال ہے جس کے مفید یقین ہونے کو عموماً تسلیم کیا جاتا ہے لیکن ہماری زندگی کے بے شمار معاملات ایسے ہیں جن میں ہم اخبار آحاد (یعنی ایک دو راویوں کی دی ہوئی خبروں) کو تسلیم کرتے ہیں، اور انہی پر اپنے فیصلوں اور اپنے علم و عمل کا مدار رکھتے ہیں۔ محض خبر ہونے کی حیثیت سے ہر خبر میں سچ اور جھوٹ ہونے کا یکساں احتمال ہوتا ہے مگر ہم ان دونوں پہلوؤں میں سے ایک کو ترجیح دینے کے لئے محض خبر کے خبر ہونے ہی پر نظر نہیں رکھتے، بلکہ عموماً خارجی قرآئن سے مدد لے کر صدق یا کذب کے کسی ایک پہلو کو ترجیح دیتے ہیں، اور بسا اوقات ہماری یہ ترجیح اتنی زیادہ قوی ہوتی ہے کہ دوسرے پہلو کے امکان کو بھی تسلیم کرنے کے لئے ہم طیار نہیں ہوتے مثلاً ہر شخص کو یہ بات کہ وہ اپنے باپ کی جائز اولاد ہے، صرف اپنی ماں کی روایت سے معلوم ہوتی ہے۔ اس خبر واحد میں جس کے لئے کوئی دوسرا شاہد سرے سے مل ہی نہیں سکتا، نفس خبر ہونے کی حیثیت سے صدق و کذب کا یکساں احتمال ہے، لیکن کوئی شریف آدمی اس میں کذب کے پہلو کو ترجیح دینا تو درکنار کسی درجہ میں بھی تسلیم کرنے کے لیے طیار نہ ہوگا، خواہ واقعہ کے اعتبار سے اسکا اپنی ماں کے بیان پر یقین کرنا درست نہ ہو۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا تعلق جذبات سے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جہاں جذبات کا دخل نہیں ہوتا وہاں بھی ہم اسی طرح اخبار آحاد کی امکانی جانچ پڑتال کر کے صدق وکذب کے دونوں پہلوؤں میں سے ایک کو ترجیح دیتے ہیں، اور اگرچہ اس ترجیح سے صرف ظن غالب حاصل ہوتا ہے، لیکن اس ظن پر ہم اسی طرح عمل کرتے ہیں جس طرح علم یقین حاصل ہونے کی صورت میں کرتے۔ ہماری زندگی کے معاملات میں سب سے زیادہ اہم اور نازک معاملہ عدالت کا ہے جس میں جذبات کا ذرہ برابر دخل نہیں، بلکہ خالص اور ٹھوس عقلی امتحان پر احکام کی بنا رکھی جاتی ہے۔ قاضی یا جج کے سامنے جتنے معاملات پیش ہوتے ہیں ان سب کا تعلق گذرے ہوئے واقعات سے ہوتا ہے اور بہت کم واقعات بلکہ شاذ و نادر ایسے ہوتے ہیں جن میں شہادتیں تواتر کی حد کو پہنچی ہوں۔ بیشتر معاملات میں جج کے سامنے صرف "اخبار آحاد" پیش ہوتے ہیں جنہیں وہ جرح و تعدیل، قرائن و آثار اور قیاس عقلی کی کسوٹی پر کس کر سچ اور جھوٹ کے امکانی پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو راجح قرار دیتا ہے، اور جب کوئی پہلو راجح ہو جاتا ہے، تو اس پر وہ اس طرح فیصلہ کرتا ہے، جیسے اس کے نزدیک واقعہ یقین کی حد تک ثابت ہو گیا ہے۔ اگر کوئی جج ہر شاہد کو جھوٹا اور ہر شہادت کو غلط فرض کر کے اپنا کام شروع کرے، اور ہر واقعہ کو تسلیم کرنے کے لئے اصرار کرے کہ یا تو واقعہ خود اس کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے یا متواتر روایات اس تک پہنچیں، تو یقیناً چند ہی ساعتوں میں اس کو عدالت کی کرسی چھوڑ دینی پڑے گی۔

اسی طرح تجارت، تدبیر سلطنت اور دوسرے دنیوی کاروبار میں بھی رات دن اخبار آحاد پر بہت سے معاملات چلتے ہیں۔ بلکہ بہت سی خبریں تو ہم کو تار اور اخبارات کے ذریعہ سے ملتی ہیں جن کی صحت میں عقلاً بہت سے شکوک و شبہات کی گنجایش ہوتی ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ جس شخص نے ہم کو تار دیا ہے وہ درحقیقت وہی شخص ہے جس کا نام تار پر لکھا ہوا ہے۔ اور اگر تار فی الواقع اسی کا دیا ہوا ہے تب بھی ہم کو نہیں معلوم کہ جو خبر وہ دے رہا ہے وہ اسے کس ذریعے سے معلوم ہوئی؟ اور اس کا ذریعہ معتبر ہے یا نہیں؟ اس قسم کے بہت سے احتمالات ہر تار کی خبر میں ہوتے ہیں، لیکن جن لوگوں کا سارا کاروبار انہی خبروں پر چلتا ہے۔

وہ ان احتمالات کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں محض ظاہری قرائن سے یہ جانچ لیتے ہیں کہ تار انہی کے ایجنٹ کا دیا ہوا ہے، یا نہیں، اور جب ایک ظن غالب ان کو حاصل ہو جاتا ہے، تو اس پر اپنے لاکھوں روپے لگا دیتے ہیں۔

یہی صورت مذہبی معاملات میں بھی ہے۔ سب سے بڑی چیز جس پر ہمارے ایمان کا مدار ہے، قرآن مجید ہے۔ اس کتاب کا کلام الٰہی ہونا ہم کو صرف ایک گواہ کی شہادت سے معلوم ہوا ہے، اور وہ گواہ ذات رسالت پناہ ہے نفس خبر ہونے کے لحاظ سے اس میں بھی صدق وکذب کا احتمال ہے لیکن خبر جس گواہ نے دی ہے اس کی راست بازی، دیانت، پاکیزہ سیرت کو دیکھ کر، اور جو خبر اس نے دی ہے اس کی معقولیت اور حقانیت کا لحاظ کر کے ہم کذب کے پہلو پر صدق کے پہلو کو راجح قرار دیتے ہیں، اور پھر یہی ترجیح ایمان بن کر ہمارے قلب میں ایسی راسخ ہو جاتی ہے کہ کذب کا تصور بھی آنے نہیں پاتا لیکن دوسری طرف بہت سے لوگ ہیں جنہیں اس شاہد امین کی شہادت میں شک ہے، اور اسی شک کی بنا پر وہ اس کی تصدیق سے انکار کر دیتے ہیں۔ ہم میں اور ان میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ ہم نے ایک راست باز گواہ کی گواہی کو تسلیم کیا اور مسلمان ہو گئے، انہوں نے اس کی گواہی میں شک کیا اور کفر میں مبتلا ہو گئے۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ وحی اترتے ہوئے نہ ہم نے دیکھی اور نہ انہوں نے۔

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بالعموم اوسط درجے کے انسان اپنی زندگی کے معاملات میں نہ اتنے ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں کہ ہر خبر کو بلاتحقیق وتفتیش قبول کر لیں، اور نہ اتنے شکی اور وہمی ہوتے ہیں کہ ہر خبر کی صحت اور ہر راوی کی صداقت میں شبہ کریں، اور ہر معاملہ میں رائے قائم کرنے کے لئے اس علم یقین کا مطالبہ کریں جو صرف تجربہ ومشاہدہ یا روایت متواترہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان عقل سلیم اور معتدل فطرت رکھنے والے انسانوں کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ خبروں اور روایتوں کو امکانی ذرائع تحقیق سے کام لے کر جانچتے ہیں، اور اس جانچ پڑتال میں اگر ان کے غلط

ہونے کا گمان غالب (نہ کہ یقین) ہوتا ہے تو انہیں رد کر دیتے ہیں، اور اگر ان کے صحیح ہونے کا گمان غالب (نہ کہ یقین) حاصل ہو جاتا ہے تو ان کو قبول کر کے انہی کے مطابق عمل کرتے ہیں تحقیق اور جانچ پڑتال کا معیار بھی تمام خبروں کے لئے یکساں نہیں ہوتا بلکہ اس کے سخت اور نرم ہونے کا انحصار خبر کی نوعیت اور اس معاملہ کی اہمیت پر ہوتا ہے جس سے اس خبر کا تعلق ہے۔

یہ تو اس مسئلہ کی عملی حیثیت تھی اب اگر آپ عقلی حیثیت سے بھی غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہی اعتدال کا طریقہ عین مطابق عقل ہے، اور اس کے خلاف ضعیف الاعتقادی اور وہمی پن دونوں خلاف عقل ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عقل کے نزدیک ہر واقعہ میں شک کرنا ممکن ہے، حتی کہ محسوسات اور مشاہدات تک میں بھی شک کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ لازم نہیں کہ ہر وہ فعل جو کیا جا سکتا ہو، اس کا کرنا عقل کے نزدیک درست اور احسن بھی ہو۔ مزید برآں عقل، خبر کے متعلق صرف یہ حکم لگاتی ہے کہ اس میں صدق اور کذب کا یکساں احتمال ہے یعنی محض خبر ہونے کی حیثیت سے وہ سچ اور جھوٹ ہونے کا مساوی امکان رکھتی ہے، اور جب تک کوئی معقول وجہ کسی ایک پہلو کو ترجیح دینے کے لئے موجود نہ ہو کسی خبر کو نہ سچ کہا جا سکتا ہے اور نہ جھوٹ۔ لیکن کوئی خبر ہم کو محض خبر ہونے کی حیثیت سے نہیں پہنچتی، بلکہ اس کے ساتھ لازماً بہت سے ایسے قرائن بھی ہوتے ہیں جن سے تصدیق یا تکذیب کی جانب پلڑا ضرور جھکتا ہے۔ خالص شک کا مقام یعنی جہاں نہ تصدیق ہو اور نہ تکذیب، ایک ایسا باریک مقام ہے کہ انسان کا ذہن چند لمحے بھی اس پر نہیں ٹھیر سکتا، اس لئے ہر خبر کو سنتے ہی ذہن فوراً ایسے وجوہ تلاش کرنے لگتا ہے جن سے مدد لے کر وہ شک کے مقام سے تصدیق یا تکذیب کی طرف جائے، اور یہ بات بالکل ذہن کے سلیم یا مریض ہونے پر موقوف ہے کہ وہ ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی پہلو کو معقول وجوہ کے ساتھ ترجیح دیتا ہے یا غیر معقول وجوہ کے ساتھ۔ کسی خبر کا متواتر نہ ہونا، یا خبر واحد ہونا عقلاً اس کے لئے ہرگز کافی نہیں ہے کہ اس کے غلط ہونے کا حکم لگا دیا جائے، نہ یہ بات کسی خبر کو جھوٹ قرار دینے کے لئے کافی اور معقول وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ بہت قدیم زمانہ سے متعلق ہے اور

ہم تک بہت سے واسطوں سے پہنچی ہے۔ نہ کوئی صاحب عقل آدمی یہ فرض کرسکتا ہے کہ ہر مخبر جھوٹا ہوتا ہے اور دنیا کے تمام مخبر آپس میں متفق ہوکر جھوٹی خبریں دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس قسم کے تمام مفروضات جو تکذیبی ذہنیت رکھنے والوں کے دل و دماغ پر مسلط ہوجاتے ہیں، اور جن کی بنا پر وہ ہر خبر کی تکذیب کی طرف مائل ہوجایا کرتے ہیں، قطعاً خلاف عقل ہیں، اور اسی طرح اس کے برعکس جن مفروضات کی بنا پر ہر خبر اور ہر مخبر کی تصدیق کی جاتی ہے، وہ بھی عقل کے مطابق نہیں ہیں۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان صحیح راستہ جو ایک سلیم الفطرت ذہن اختیار کرے گا وہ یہی ہے کہ وہ مجموعاً تمام خبروں کی نہ تصدیق کرے گا اور نہ تکذیب۔ بلکہ ہر خبر کو فرداً فرداً لے کر اس کے مخصوص حالات کے لحاظ سے تحقیق و تفتیش کے ایک خاص معیار پر جانچے گا اور جب اس تحقیق کے ذریعہ سے صدق و کذب کے دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف گمان غالب حاصل ہوجائے گا تو وہ اسی پہلو کا حکم لگا دیگا۔

اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ کسی خبر کی تحقیق کا سخت سے سخت قابل عمل معیار کیا ہوسکتا ہے؟

فرض کیجئے کہ ایک شخص زید اب سے سو برس پہلے گذرا ہے، جس کے متعلق عمرو ایک روایت آپ تک پہنچاتا ہے۔ آپ کو تحقیق کرنا ہے کہ زید کے متعلق یہ روایت درست ہے یا نہیں؟ اس غرض کے لئے آپ حسب ذیل تنقیحات قائم کرسکتے ہیں:-

۱- یہ روایت عمرو تک کس طریقے سے پہنچی؟ درمیان میں جو واسطے ہیں ان کا سلسلہ زید تک پہنچتا ہے یا نہیں؟ درمیانی راویوں میں سے ہر راوی نے جس شخص سے روایت کی ہے اس سے وہ ملا بھی تھا یا نہیں؟ ہر راوی نے روایت کس عمر اور کس حالت میں سنی؟ روایت کو اس نے لفظ بلفظ نقل کیا یا اس کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کیا؟

۲- کیا یہی روایت دوسرے طریقوں سے بھی منقول ہے؟ اگر منقول ہے تو سب بیانات متفق ہیں یا مختلف؟ اور اختلاف ہے تو کس حد تک؟ اگر کھلا ہوا اختلاف ہے تو مختلف طریقوں میں سے کونسا

طریق روایت زیادہ معتبر ہے؟

۳۔ جن لوگوں کے واسطے سے یہ خبر پہنچی ہے وہ خود کیسے ہیں؟ جھوٹے یا بد دیانت تو نہیں؟ اس روایت میں ان کی کوئی غرض تو مخفی نہیں؟ ان میں صحیح یاد رکھنے اور صحیح نقل کرنے کی قابلیت تھی یا نہیں؟

۴۔ زید کی افتاد طبع اس کی سیرت اس کے خیالات اور اُس کے احوال کے متعلق جو مشہور و متواتر روایات یا ثابت شدہ معلومات ہمارے پاس موجود ہیں، یہ روایت ان کے خلاف تو نہیں ہے۔

۵۔ روایت کسی غیر معمولی اور بعید از قیاس امر کے متعلق ہے یا معمولی اور قرین قیاس امر کے متعلق؟ اگر پہلی صورت ہے تو کیا طرقِ روایت اتنے کثیر مسلسل اور معتبر ہیں کہ ایسے امر کو تسلیم کیا جا سکے اور اگر دوسری صورت ہے تو کیا روایت اپنی موجودہ شکل میں اس امر کی صحت کا اطمینان کرنے کے لئے کافی ہے؟

یہی پانچ پہلو ہیں جن سے کسی خبر کی جانچ پڑتال کی جا سکتی ہے۔ ان سوالات کے متعلق اگر ذرائع تحقیق ہمارے پاس موجود ہوں اور ان ذرائع سے کوئی خبر تحقیق کے معیار پر پوری اتر جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کی تکذیب کریں۔ اور اگر کوئی خبر اس معیار پر پوری نہ اترے تو ہم کو حق ہے کہ خواہ اس کی تکذیب کریں، یا اس کو رد کر دیں۔ لیکن اگر ذرائع تحقیق موجود ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص فرداً فرداً ہر خبر کو جانچنے اور اس کے متعلق رائے قائم کرنے کے بجائے تمام خبروں کو مجموعاً محض اس بنا پر رد کر دے یا جھوٹ قرار دے کہ ان میں بعض جعلی خبریں ملی ہوئی ہیں یا بعض راویوں کی کمزوریاں ثابت ہیں، یا بعض خبریں اس شخص کی عقل میں نہیں سماتیں، تو اس سے بڑھ کر غیر معقول طرز عمل اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اس تمہیدی بیان نے معاملہ کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص ذات رسالت پناہ کے اسوۂ حسنہ اور سنت مطہرہ سے کوئی تعلق رکھنا ہی نہ چاہتا ہو، تو یہ ایک دوسری بات ہے لیکن اگر وہ آنحضرت کی تقلید فرض سمجھتا ہے، اور اسے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ حضورؐ نے اپنی ۲۳ سال کی حیات نبوی میں

کس طرح زندگی بسر کی؟ کونسے افعال کئے؟ کن افعال سے اجتناب کیا؟ کن باتوں کو جائز رکھا؟ کن باتوں سے منع فرمایا؟ تو لامحالہ اس کو حدیث کے ذخیرہ کی طرف توجہ کرنی پڑے گی۔ یہاں وہ دیکھے گا کہ اس وقت بھی دنیا میں کم و بیش چار پانچ لاکھ آدمی ایسے موجود ہیں جن کے پاس حدیث کی کتابیں امام مالک، امام محمد، امام شافعی، امام احمد ابن حنبل، امام بخاری، اور دوسرے ائمہ حدیث سے سلسلہ بسلسلہ پہنچی ہیں، اس لئے اس امر میں کسی شبہ کی گنجایش نہیں کہ یہ کتابیں انہی بزرگوں کی لکھی ہوی ہیں پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان بزرگوں نے ہر حدیث کی جو سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام تک پہنچائی ہے، وہ کم از کم ان کی تحقیق کے لحاظ سے درست تھی۔ لہذا ان کتابوں کے ذریعہ سے حدیث کا وہ علم قریب قریب یقینی طور پر ہم تک پہنچ گیا ہے جو پہلی دوسری تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے ائمہ حدیث کے پاس تھا۔ اس کے علاوہ احادیث کے متعلق وہ تمام معلومات بھی معتبر کتابوں کے ذریعہ سے ہم تک پہنچ گئی ہیں جن سے کام لے کر محدثین نے حدیثوں اور ان کے راویوں کے حالات کی جانچ پڑتال کی ہے۔ اور پھر ہم نے ایک خبر کی تحقیق کے لئے جو تنقیحی سوالات قائم کئے ہیں ان میں سے ہر سوال کا مفصل جواب قریب قریب ہر حدیث کے متعلق ہم کو ان کتابوں میں مل جاتا ہے، اور محدثین کے درمیان احادیث اور ان کی تحقیق کے بارے میں جو اختلافات آرا رہے ہیں وہ بھی تمام دلایل اور وجوہ کے ساتھ محفوظ ہیں۔ اس وسیع، مفصل، اور زیادہ سے زیادہ امکانی وثوق رکھنے والے ذخیرہ کے موجود ہوتے ہوے، کوئی صاحب عقل انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی واقعہ اور آنحضرت کا کوئی ارشاد آج دنیا میں صحت کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ ایسا دعویٰ کرنے والے کو سب سے پہلے ثابت کرنا پڑیگا کہ عہد رسالت سے لیکر ہمارے زمانہ تک جو لاکھوں سے متجاوز اور کروڑوں تک پہنچے ہوے مسلمان احادیث نبوی کے نقل کرنے اور سننے سنانے میں مشغول رہے ہیں، وہ سب کے سب یا ان میں سے اکثر جھوٹے تھے، اور انہوں نے بالاتفاق یہ طے کر لیا تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت گھڑنے اور اس طریقے سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور اسلام کو تباہ و برباد کرنے ہی میں اپنی ساری عمر بسر کرینگے۔ اگر کوئی منکر حدیث اس امر کا ثبوت رکھتا ہے تو وہ اس کو پیش کرے۔ ہم اسے یقین دلاتے ہیں کہ ساری دنیا کے محققین اور مکتشفین کے کارنامے اسکی اس نادر تحقیق کے سامنے دب جائینگے لیکن اگر اس کے پاس بدگمانی اور جھوٹے الزامات، اور کل پر بعض کا حکم لگانے کے مغالطہ انگیز اور خلاف عقل و دیانت طریقوں کے سوا اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کو وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کر سکتا ہو، تو اسے کم از کم یہ امید نہ رکھنی چاہئے کہ جن لوگوں کی عقل درست ہے اور جو فطرت سلیمہ سے بہرہ ور ہیں وہ بھی اس کے دعوے کو تسلیم کر کے حدیث کی ساری خبروں کو مجموعی حیثیت سے غلط اور قابل رد قرار دیدیں گے۔

ہم نے کبھی اس خیال کی تائید نہیں کی کہ ہر شخص کو ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنی چاہئے یا ان کو غلطی سے مبرا سمجھنا چاہئے۔ نہ کبھی ہم نے یہ دعویٰ کیا کہ ہر کتاب میں جو روایت قال رسول اللہ سے شروع ہو اس کو آنکھیں بند کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مان لیا جائے۔ برعکس اس کے ہمارے نزدیک کسی حدیث کو حدیث رسول قرار دینے کی ذمہ داری ایک گران بار ذمہ داری ہے جس کو اٹھانے کی جرات کافی تحقیق کے بغیر ہرگز نہ کرنی چاہئے۔ اور تحقیق و اجتہاد کے متعلق بھی ہمارا مذہب یہ ہے کہ اس کا دروازہ ہر زمانہ میں کھلا ہوا ہے، اور کسی خاص عہد کے لئے مخصوص نہیں ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جن لوگوں نے فن حدیث کی تحصیل اور اس کے باقاعدہ مطالعہ اور تحقیقات میں پورا ایک مہینہ بھی صرف نہیں کیا ہے وہ ان بزرگوں کے کارناموں پر تنقید کریں جنہوں نے پوری پوری عمریں اس فن کی خدمت میں بسر کی ہیں۔ صرف ایک فن حدیث ہی پر موقوف نہیں ہے۔ دنیا کا کوئی علم و فن بھی آپ کو ایسا نہ ملے گا جس میں بتدیوں اور اناڑیوں کو سیر حاصل اور ماہرانہ اظہار رائے، اور مجتہدانہ کلام کا حق دیا جاتا ہو۔ یہ حق انسان کو صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ فن کے مبادی اور اصول پر پوری طرح حاوی ہو چکا ہو، اور جتنا ذخیرہ معلومات اس فن کے متعلق موجود ہو، وہ سب اس کی نظر میں ہو۔ باقی رہا وہ شخص جو ابھی اس مرتبہ تک نہیں پہونچا ہے

تواس کے لئے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ ائمۂ فن کی تحقیقات اوران کی آرار کا اتباع کرے۔ تمام دنیوی علوم کی طرح مذہبی علوم میں بھی یہی طریقہ بہتر اور صحیح تر ہے۔ اس کو چھوڑ کر جو لوگ اجتہاد بلا علم کا علم بلند کرتے ہیں۔ وہ دنیا اور دین دونوں میں اپنے لئے رسوائی کا سامان کرتے ہیں۔

نوٹ :۔ اس مضمون کی پہلی قسط شائع ہونے کے بعد جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ "بلاغ" نے میرے پاس مولانا احمدالدین صاحب امرتسری کی کتاب "برہان القرآن" بھیجی اور اس کے ساتھ اپنے عنایت نامے میں مجھ سے خواہش فرمائی کہ اس مضمون کو لکھتے وقت کتاب مذکور کو بھی پیش نظر رکھوں نیز انہوں نے مجھ کو یقین دلایا کہ اگر محققانہ طرز میں حقیقت حدیث کے چہرے سے نقاب اٹھا دیا گیا تو ان کی جماعت قبول حق میں تامل نہ کرے گی۔ میں اس عنایت نامے کیلئے موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور ان کی حق پسندی پر انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ میں "برہان القرآن" کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ ایک علیحدہ تنقید کی محتاج ہے، اور اس مضمون میں اس پر بحث کرنا خلط مبحث کا موجب ہوگا۔ اس لئے انشاءاللہ عنقریب اس پر مفصل تبصرہ کروں گا۔ خدا مجھ کو احقاق حق کی توفیق عطا فرمائے اور کجروی و گمراہی سے محفوظ رکھے۔

تقریظ و انتقاد

فتنۂ ارتداد اور مرآۃ المثنوی

از مولانا مناظر احسن گیلانی استاذ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ

عقلی طغیانی اور ذہنی شوریدگی کے ان خطرناک گھنگھور بادلوں کو جس کا نام کفر ہے شاید وہی شعاعیں پھاڑ سکتی ہیں جو نبوّت کے آفتاب سے بالواسطہ یا بلاواسطہ نکل رہی ہوں لیکن کسی امت مسلمہ مطیعہ میں جب ارتداد و ارتیاب کی ہل چل پیدا ہوتی ہے تو کسی اور دین و ملت کو تجربہ ہو یا نہ ہو لیکن مسلمانوں کا مشاہدہ ہے کہ قدرت نے اس طوفان کو تھامنے کے لئے ہمیشہ صدیقوں کو اٹھایا۔ اسلام کا پہلا ارتداد جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی شروع ہوا اور جس کا دوسرا نام تاریخ اسلام میں "فتنہ ردّہ" ہے سب جانتے ہیں کہ اس اٹھنے والے فساد کو اسنے بجھا دیا جو اسلام کا پہلا اور سب سے بڑا صدیق تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اسلام کے وسطانی دور میں یونان و روما ن مصر و ایران چین و ہند کے وساوس و اوہام کے ترنم میں اللہ کی کتاب گھر گئی اور وہی امت جو قرآن کے نیچے رہنے کے لئے بنائی گئی تھی اس نے قرآن ہی کو اپنی خواہشوں کے نیچے دبا دیا گو الفاظ سے علانیہ بغاوت کا ظہور کم ہوا تھا لیکن قرآن کے معانی سے پھرنے والے دماغوں اور مرتد ہونے والی روحوں کی ایک بڑی تعداد ان ہی گھروں میں پیدا ہو گئی تھی جنہیں مسلمانوں کا گھر سمجھا جاتا تھا اور ان ہی لوگوں میں پیدا ہو گئی تھی جن کے ناموں کو مسلمانوں کا نام خیال کیا جاتا تھا

پھر جس طرح ارتداد اول میں تم نے دیکھا تھا کہ کپڑے کا ایک سوداگر فوجوں کی کمانداری کا کام دل کی ہمت اور دماغ کی بیداری سے انجام دے رہا ہے اور عرب کے جنگ آزما قبیلوں میں سے ایک ایک کو چن چن کر ارتداد سے اسلام پر بنیاد ... سے اطاعت پر دوبارہ لیں سے آیا کچھ اسی قسم کا واقعہ وسطانی

رتداد میں بھی پیش آیا کہ صدیقؓ اول ہی گھرانے کا ایک صدیق جو صرف نسلاً ہی صدیقی نہ تھا بلکہ ربانی مدارج میں اہل نظر نے اس کو بھی ملیک مقتدر کے آگے مقعد صدق میں پایا ہے، قدم صدق پر کھڑا ہوا۔ اٹھاؤ دیکھنے والے اچنبھے سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے کہ وہی جو ابھی چند سال پہلے نحو و صرف، اصول فقہ، فقہ، منطق، کلام کے خشک اور جدلی مباحث میں مشغول تھا وہ سر بازار کچھ گا رہا ہے، سنا رہا ہے، خود سر دھنتا ہے، دوسروں سے دھنواتا ہے، بازار میں مست ہونے والے اس مُلّا کا نام اب تو خدا جانے کیا کیا ہے لیکن اُس وقت اس کو لوگ "مُلّا جلال الدین" کے نام سے موسوم کرتے تھے رحمۃ اللہ علیہ وقدس سرہ

زمخشری و بیضاوی کے رٹانے والے بزدوی اور ابن حاجب کو گھول کر پلانے والے خیالی اور عضدی کے بالوں کی کھال نکالنے والوں میں سے کون ہے جو رہ گیا یا اس کے رہنے کی کوئی امید ہے لیکن وہی جسے لوگوں نے طوطا و خر گوش کا قصہ سنانے والا خیال کیا تھا اب اسلام کا سب سے بڑا فلسفی قرآن کا بڑا مفسر، اسرار شریعت کا سب سے بڑا شارح سمجھا جاتا ہے۔ صوفی اس کے گیتوں پر محو رقص ہیں، واعظ اس کے اشعار پڑھ کر جھوم رہے ہیں، حکیم اس کے الجھے ہوئے بیان سے اپنا فلسفہ سلجھا رہے ہیں، شاعر اس کے بے اصول و قواعد کلام سے اپنے کلام میں زور پیدا کر رہے ہیں، وہ مدت سے بازار میں آیا لیکن لوگوں نے اس کو، اس کی کتاب کو بازار سے اٹھا کر کہاں پہونچایا آج وہ مکتبوں ہی میں نہیں، مدرسوں ہی میں نہیں کالجوں میں ہے، یونیورسٹیوں میں ہے، مشرق ہی میں نہیں کیمبرج[1] میں ہے آکسفورڈ میں ہے، مندروں میں ہے، شوالوں[2] میں ہے اور آخر میں وہی جس نے اپنے کو رسوا سر بازار کیا تھا اور کسی پاک نیت صادق جذبہ سے بیکل ہو کر کیا تھا وہ مسجدوں میں ہے، ممبروں پہ ہے، خانقاہوں میں ہے اور کون جان سکتا ہے کہ زمین کی یہ پیداوار آسمان کی کن بلندیوں تک پہونچ کر رہی ہے۔

---

[1] حال میں مثنوی شریف بڑے آب و تاب سے ڈاکٹر نکلسن کی تصحیح سے کیمبرج سے شائع ہوئی ہے۔

[2] آگرہ کے مشہور ہندو دالسٹی ٹیوشن راحم دیال باغ میں مثنوی کا درس روزانہ دیا جاتا ہے۔

"اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ" کا مکاشفہ جن کو ہوا ہے کیا بتاؤں کہ وہ اس کلام کے متعلق کیا کیا کہتے ہیں۔ "زبان پہلوی کا قرآن" کہنے سے تو میں نے متقشف سے متقشف علماء مولویوں کو بھی جھجکتے ہوئے نہیں دیکھا۔

"مثنوی شریف" نے اسلام کے وسطانی دور کے "ارتداد" کا ردعمل جس زور و قوت کے ساتھ کیا ہے اس کے لئے ایک مبسوط مطالعہ اور طویل تفصیل کی ضرورت ہے خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے اس صدیقی کو اپنی نیت میں کامیاب کیا وَاللّٰهُ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔

آج اسلام پھر ارض مغرب کے وساوس و شکوک کے اندھیرے میں گھرا جا رہا ہے۔ اسلامی اقوام کے جن خاندانوں کا تعلق مغربی تہذیب سے ہو رہا ہے بتدریج ان میں اللہ کی کتاب اور اپنے رسولؐ کے پیغام سے ارتداد پیدا ہو رہا ہے۔ وسطانی دور کے ارتداد میں چونکہ اسلام سیاسی طور پر تو مولانا کے زمانے میں برتری حاصل کئے ہوئے تھا اس لئے جیسا کہ میں نے کہا ہے اس ذہنی ارتداد اور باطنی الحاد نے مسلمانوں کے وسطی ہر کو کم متاثر کیا تھا لیکن بدقسمتی سے "ارتداد" کا جو دور مغرب کے اثر سے اب شروع ہوا ہے اس وقت بدبخت مسلمان اپنے سیاسی تفوق کو بھی کھو بیٹھے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت جو "ارتداد" باطن میں پیدا ہوتا ہے کچھ دن تو سوسائٹی کے دباؤ سے اندر ہی دبا رہتا ہے لیکن جیسے جیسے خاندانوں کا تعلق اپنے قبیلے سے کمزور ہوتا جاتا ہے سوسائٹی کی گرفت ڈھیلی پڑتی جاتی ہے اور مغربی قوت سے ان کو نزدیکی حاصل ہوتی جاتی ہے، اسی نسبت سے یہ "ارتداد" اندر سے نکل نکل کر باہر آ رہا ہے۔ مغربی طرز کے اسکول و مدارس "ارتداد" کی اس آگ کو ہوا دینے میں سب سے زیادہ اس وقت معاون و مددگار ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا آخری انجام کیا ہے صرف ختم نبوت کی واقعیت اور اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کا وعدہ یاس کی گھڑیوں میں "امید" کی خنکی پہنچا رہا ہے ورنہ واقعات کی جو رفتار ہے اس سے درد والوں کے دل پگھل رہے ہیں، جگر کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

اس سلسلہ میں مخلصین اسلام کے مختلف افراد اپنی اپنی جگہوں پر جو بن آتا ہے کر رہے ہیں اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر شخص کی خدمت کچھ نہ کچھ اپنے نتائج خود پیدا کر رہی ہے جزاھم عن نبی الاسلام خیر الجزا صلی اللہ علیہ وسلم

اس سلسلہ میں ہمارے محترم و مکرم جناب قاضی تلمذ حسین صاحب جنہیں میں نہیں جانتا کہ صدیقیت سے ان کو کس قسم کا تعلق ہے، ارتداد کے اس فتنہ کے مقابلہ میں اسی صدیقی حربہ کو لے کر اٹھے ہیں جس نے وسطانی دور کے ارتداد کو بغیر کسی شور و غوغا کے قصہ و کہانی کے پیرایہ میں فاش شکست دی تھی اور ہمیشہ کے لئے اسلامی دنیا کے سرحد پار بھگا دیا تھا قاضی صاحب کو خود تجربہ ہوا یا ان کا حسن ظن ہے لیکن انہوں نے اگر یہ سمجھا ہے کہ اس عہد کے مسلمانوں میں موجودہ ذہنیت کے مطابق کسی آسان شکل میں "مثنوی مولانا روم" کو پھر پھیلا دیا جائے تو کیا بعید ہے کہ ارتداد کا یہ بڑھتا ہوا سیلاب کسی حد پر آ کر تھم جائے۔ قاضی صاحب کی اگر یہی نیت ہے تو پاک نیت ہے اور صحیح ارادہ ہے۔

لیکن مثنوی شریف کو موجودہ سہولت پسند مذاق کے مطابق کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔ آج جبکہ ڈکشنری سے الفاظ نکالنے کے لئے علاوہ عام فہرست 'انڈکس' اور خدا جانے کن کن تسہیلی مقدمات کے 'یہ تک کر دیا جاتا ہے کہ ہر ہر حرف کے اوراق دوسرے حروف سے کاٹ کر جدا کر دیے جاتے ہیں اور اس قطع شدہ حصہ پر اسی حرف کو لکھ دیا جاتا ہے "مثنوی شریف" کے بحر بے پایاں کی ان گنت موجوں کا تھامنا ان میں ترتیب پیدا کرنا ان کے لئے فہرست بنانا' الفاظی اشارے تیار کرنا' واقعہ یہ ہے کہ اس کے لئے ایک جماعت کی ضرورت ہے لیکن صد تحسین و ہزار تبریک کی مستحق ہے قاضی صاحب کی ذات کہ اس کام کا بار تن تنہا اپنے سر پر انہوں نے اٹھا لیا اور خاموش طریقے سے بیس سال کی طویل مدت میں آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ارادے میں کامیاب کیا۔ ان کی یہی بست سالہ محنت و کاوش ہے جو اب ملک و قوم کے سامنے ہے۔

۱۔ انہوں نے مثنوی شریف کے تمام قصوں کو جو اس طرح پھیلے ہوئے تھے کہ ان کا سلسلہ پڑھنا دشوار تھا پہلے ایک جگہ جمع کر دیا تاکہ جن لوگوں کو حقایق و معانی سے زیادہ مناسبت نہ ہو وہ پہلے ان قصوں سے مثنوی کا آغاز کریں چونکہ مثنوی کا قصہ

اپنے اندر نتائج و بصائر کا ایک ذخیرہ رکھتا ہے اس لئے یہ امید بیجا نہیں ہے کہ قصوں کے بہانے سے عام لوگوں کو ابتدا ہی سے مولانا کے منشار اور مقصد سے ایک گونہ مناسبت پیدا ہو جائے گی۔

۲۔ انہوں نے پھر ایک مجموعہ ان اشعار کا تیار کیا ہے جن میں مولانا کے سارے خیالات جو اسلام کے فروع و اصول عملیات و نظریات کے متعلق ہیں اور یہی بحر بے پایاں ہے۔ قاضی صاحب نے ان کو عنوانوں کے قید و بند میں لانا چاہا ہے اور حتی الوسع اس میں وہ کامیاب رہے ہیں لیکن ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجاست بہرحال مطالعہ کرنے والے مثنوی شریف کے اس حصہ کے بعد خود اپنے اندر اتنی لطافت اور دقت نظر پیدا کر لیتے ہیں کہ ان کو عنوانی رہنمائی چنداں ضرورت نہیں رہتی

۳۔ انہوں نے ان قرآنی آیات کو بھی ایک جگہ جمع کر دیا ہے جن کا ذکر مثنوی شریف کے مختلف حصوں میں متفرق طور پر تھا۔ ان کے پڑھنے سے مسلمانوں کو قرآن کے سمجھنے کی ایک نئی راہ معلوم ہو گئی جو خاص مولانا روم کا حصہ ہے اور قرآن کو اس طرز پر سمجھنے کی عہد حاضر کے مسلمانوں کو سخت ضرورت ہے گویا وہ مولانا روم کی تفسیر کا ایک حصہ ہے۔

۴۔ انہوں نے ان احادیث کو بھی ایک جگہ جمع کر دیا ہے جن کا ذکر مثنوی شریف میں آ گیا ہے، نبوی اقوال کے فہم میں کس ذوق اور کتنی عمیق نظر کی ضرورت ہے اس کا اندازہ اس حصہ سے ہوتا ہے بلکہ دیکھنے والوں میں حدیثوں کے سمجھنے کا بھی ایک سلیقۂ خاص پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ دوسری حدیثوں کی شرح و فہم میں کام لے سکتے ہیں۔

۵۔ آخر میں قاضی صاحب نے "مدحیہ اشعار" کو بھی ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس میں ان مورخین کے لئے ایک بڑی اعانت ہے جو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مولانا روم کے ذاتی تعلقات کن کن لوگوں سے کیا تھے۔ اور حضرت اپنے دوست و احباب تلامذہ اور مریدوں سے کس قسم کا سلوک فرماتے تھے۔

۶۔ سب سے زیادہ سخت لیکن زمانہ کے مطابق کام قاضی صاحب کا وہ "کشافیہ" ہے جو مثنوی کے ہر شعر کے متعلق انہوں نے لگایا ہے میں نے اس کا ذکر صرف ایک سطر میں کیا اور قاضی صاحب کی عمر کا ایک گراں مایہ حصہ اس کی نذر ہوا۔ خدا کرے قاضی صاحب کو یہ محنت بار آور ہو۔ اور موجودہ فتنہ روم کے مقابلہ میں قاضی صاحب کا یہ صدیقی ہتھیار کارگر ثابت ہو۔ طباعت کتابت کاغذ جلد سب کچھ مذاق حاضرہ کے مطابق ہے قیمت میں بھی انتہائی رعایات مدنظر رکھی گئی ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

Registered No. M. 2950

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۲۰)

قواعد

رسالہ "ترجمان القرآن" بالعموم ہر ہجری مہینے کی ۵ تاریخ کو شائع ہوا کریگا مہینے کی ۲۵ تاریخ تک جن حضرات کے پاس پرچہ نہ پہنچے وہ دوبارہ لکھکر منگوا سکتے ہیں ختم ماہ کے بعد دوسرے مہینے کی ابتدا میں جن خریداروں کی شکایات موصول ہونگی انکو پرچہ قیمتاً دیا جائیگا

رسالہ کی موجودہ قیمت میں کسی قسم کی رعایت ممکن نہیں ہے۔ لہذا کوئی صاحب رعایت کا مطالبہ نہ کریں۔

خریداروں کو دفتر سے مراسلت کرنے میں ہمیشہ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دینا چاہئیے لیکن یہ لحاظ رہے کہ رجسٹر نمبر اور چیز ہے اور نمبر خریداری اور چیز۔

اشاعت کیلئے مضامین اور حل طلب شکوک تمام ایڈیٹر کے نام سے بھیجے جائیں لیکن ایڈیٹر پر لازم نہیں ہے کہ ہر چیز شائع کرے۔

منیجر "ترجمان القرآن"

خیرت آباد۔ حیدر آباد (دکن)

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد

طابع و ناشر ابوالاعلیٰ مودودی

نئے سال تعلیمی

کیلئے نیا اسٹاک

چونکہ اس سال عثمانیہ میاٹرک اور مدراس میاٹرک کے نصاب میں ضروری تبدیلیاں ہوی ہیں اس لئے کتب خانہ ہذا نے ان

جدید کتب کا کافی اسٹاک فراہم کیا ہے

نیز جماعت اول سے بی اے تک جملہ درسی کتب اردو، عربی، فارسی، انگریزی، تلنگی، مرہٹی وغیرہ وغیرہ موجود ہیں۔

غیر درسی کتب اور جملہ دفاتر کے مطبوعہ فارمس بھی دستیاب ہو سکتے ہیں تاجر صاحبان و مدرسین کو یکمشت طلب کرنے پر معقول کمیشن بھی دیا جاتا ہے

سید عبد القادر تاجر کتب و مالک اعظم اسٹیم پریس

چار مینار حیدرآباد دکن